جلسہ سالانہ نمبر

فتح ۱۳۴۷ - صلح ۱۳۴۸ ہش
دسمبر ۱۹۶۸ - جنوری ۱۹۶۹ء

حضرت خلیفة المسیح الاول رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

''بدی سے بچنے کا یہ گر ہے کہ انسان علم الٰہی کا مراقبہ کرے ۔ سوچے اور فکر کرے ۔ اور بار بار اس بات کو دل میں لائے اور اس پر اپنا یقین جمائے کہ خدا علیم ہے ۔ خبیر ہے ۔ وہ مجھ کو دیکھ رہا ہے ۔ میرے ہر فعل کی اسکو خبر ہے ۔ اسی طرح ریاضت کرنے سے انسان بدی سے بچ جاتا ہے ۔''

(بدر ۹ اپریل ۱۹۱۱ء حیات نور صفحہ ۵۱۴)

حضرت المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا :

''خدام الاحمدیہ کو چاہیئے کہ وہ یہ روح اپنے اندر پیدا کریں (کہ) وہ اپنے اندر یہ احساس پیدا کریں کہ ضرورت پڑنے پر وہ خدا کے لئے اپنی جان پیش کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہیں گے ۔ اگر تم اس کے لئے تیار ہو تو یقیناً تمہارے اندر وہ بشاشت ایمان پیدا ہوگی جس کے بغیر کوئی شخص نجات حاصل نہیں کر سکتا ۔''

(الفضل ۱۷ اکتوبر ۱۹۶۱ء خدام الاحمدیہ کی ذمہ داریاں صفحہ ۲۱)

حضرت خلیفة المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا :

''......پھر تمہیں سبق دیا گیا تھا خادم نام میں کہ کسی وقت کبر اور غرور تم میں پیدا نہ ہو ۔ بلکہ خادمانہ ذہنیت اپنے اندر پیدا کرو ۔ محض خدمت کرنا کوئی چیز نہیں ۔ انسان کو ایسا ہونا چاہیئے کہ ہر وقت وہ اپنے آپ کو خادم سمجھتا رہے ۔ اسکی باتوں میں اسکی طرز میں جب وہ کسی کو مخاطب ہو اس میں کسی قسم کی بڑائی نظر نہ آئے ۔ ہر وقت عاجزانہ راہوں کو اختیار کرنے والا ہو ۔ اور اس عاجزی میں بڑی شان اور بڑی طاقت ہے ۔''

(خالد جنوری ۱۹۶۸ء صفحہ ۱۶)

حضرت حکیم الامت مولانا نور الدین خلیفۃ المسیح الاول
رضی اللہ عنہ

حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد خلیفۃالمسیح الثانی رضی اللہ عنہ

سیدنا حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

محترم مقبول احمد ذبیح سابق مہتمم مقامی ربوہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ سے انعام حاصل کر رہے ہیں ۔

مجلس عاملہ مقامی ربوہ ۶۸-۱۹۶۷ صدر مجلس خدام الاحمدیہ کے ساتھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا ترجمان

استبقوا الخیرات

ماہنامہ "خالد" ربوہ

فتح ۱۳۴۷ ہش
صلح ۱۳۴۸ ہش
دسمبر ۱۹۶۸ء
جنوری ۱۹۶۹ء

جلد ۱۵
شمارہ ۲/۳
قیمت سالانہ چھ روپے
قیمت فی پرچہ - ۶۰ پیسے
قیمت سالنامہ - ۱/۲۰

"قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی" (المصلح الموعود)

نگران :- صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ
قائم مقام مدیر اعلیٰ :- محمد اسلم شاد
مدیران :- ظہیر الدین منصور احمد
منصور احمد خان
مینیجر :- شیخ عبد الخالق
کتابت :- سید محمد باقر خوشنویس

ترتیب

(محمد شفیق قیصر پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپوا کر دفتر ماہنامہ خالد دارالصدر جنوبی ربوہ سے شائع کیا)

اداریہ

اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو!

"... اب خدا کی نوبت جوش میں آئی ہے اور تم کو، ہاں تم کو، ہاں تم کو خدا تعالیٰ نے پھر اس نوبت خانہ کی ضرب سپرد کی ہے۔ اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو۔ اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو! اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو! ایک دفعہ پھر اس نوبت کو اس زور سے بجاؤ کہ دنیا کے کان پھٹ جائیں۔ ایک دفعہ پھر اپنے دل کے خون اس قرنا میں بھر دو ایک دفعہ پھر اپنے دل کے خون اس قرنا میں بھر دو کہ عرش کے پائے بھی لرز جائیں اور فرشتے بھی کانپ اٹھیں تا کہ تمہاری دردناک آوازیں اور تمہارے نعرہ ہائے تکبیر اور نعرہ ہائے شہادتِ توحید کی وجہ سے خدا تعالیٰ زمین پر آجائے اور پھر خدا تعالیٰ کی بادشاہت اس زمین پر قائم ہو جائے اسی غرض کیلئے میں نے تحریک جدید کو جاری کیا ہے اور اسی غرض کیلئے میں تمہیں وقف کی تعلیم دیتا ہوں۔ سیدھے آؤ اور خدا کے سپاہیوں میں داخل ہو جاؤ۔ محمد رسول اللہ کا تخت آج مسیح نے چھینا ہوا ہے تم نے مسیح سے چھین کر پھر وہ تخت محمد رسول اللہ کو دینا ہے اور محمد رسول اللہ نے وہ تخت خدا کے آگے پیش کرنا ہے اور خدا تعالیٰ کی بادشاہت دنیا میں قائم ہونی ہے پس میری سنو اور میری بات کے پیچھے چلو کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ خدا کہہ رہا ہے میری آواز نہیں ہے میں خدا کی آواز تم کو پہنچا رہا ہوں۔ تم میری مانو۔ خدا تمہارے ساتھ ہو۔ خدا تمہارے ساتھ ہو۔ خدا تمہارے ساتھ ہو۔ خدا تمہارے ساتھ ہو۔ اور تم دنیا میں بھی عزت پاؤ اور آخرت میں بھی عزت پاؤ۔"

(تقریر سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

(بر موقعہ جلسہ سالانہ ۲۸ دسمبر ۱۹۵۴ء)

قال اللہ

بدظنّی

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ۔
(الحجرات۔ آیت ۱۳)

ترجمہ:۔ یعنی اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچتے رہا کرو۔ کیونکہ بعض گمان گناہ بن جاتے ہیں

کسی کی نیت کے متعلق بے وجہ اپنے دل میں اچھا خیال نہ رکھنا ہی بدظنّی اور بدگمانی ہے۔ اس کی وجہ سے آپس کا میل ملاقات کم ہو جاتا ہے اور ایک دوسرے کو شک کی نگاہ سے دیکھنے لگتا ہے۔ آہستہ آہستہ یہ بدگمانی دلوں میں جڑ پکڑ جاتی ہے۔ اور لڑائی جھگڑے کا اچھا خاصہ سامان پیدا ہو جاتا ہے۔

بدظنی کا سب سے خطرناک پہلو یہ ہے کہ ایسے شخص کی نگاہ میں نیکی کی عظمت مٹ جاتی ہے چنانچہ کہتے ہیں۔ جو کسی کو بدظنی سے جھوٹا کہتا ہے اس کے اندر ضرور جھوٹ کی مرض ہوگی۔ وجہ یہ کہ جو شخص خود کسی بات کو اہم نہیں سمجھتا وہ دوسرے کے متعلق جھٹ کہدیتا ہے کہ یہ بھی اسی طرح کرتا ہوگا۔ اور بدظنی کا نتیجہ یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ الزام لگاتے لگاتے گناہوں کی عظمت اس کے دل سے جاتی رہتی ہے۔ اور وہ خود ان میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اگر تمہارے بھائی کے منہ سے کوئی بات نکلے تو جب تک اسے اچھے معنے میں لیا جا سکتا ہو لینا چاہیئے۔ ایک حدیث میں ہے۔ ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث۔ یعنی بدظنی سے بچو کیونکہ بدظنی سب سے جھوٹی بات ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ۔ اس سے یہ بتانا مقصود ہے۔ کہ اگر بعض اوقات بدگمانی صحیح بھی ہو۔ مگر ہمیں ضرورت نہیں کہ ہم بدگمانی میں پڑیں۔ اس لئے کہ شاید وہ غلط بھی ہو۔ اور گناہ ہو جائے:

قَالَ الرَّسُوْلُ

عیب جوئی

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ عَیَّرَ اَخَاہُ بِذَنْبٍ لَمْ یَمُتْ حَتّٰی یَعْمَلَہٗ۔ (ترمذی)

ترجمہ :۔ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جو اپنے بھائی کو اس کے کسی عیب یا گناہ کا طعنہ دیگا وہ اس وقت تک نہیں مرے گا۔ جبتک وہ خود اس عیب یا گناہ میں مبتلا نہ ہو جاوے۔

تشریح :۔ کس قدر خوف کا مقام ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

از مکافاتِ عمل غافل مشو
گندم از گندم بروید جَو ز جَو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں

عقیدہ کی رُو سے جو خدا تم سے چاہتا ہے۔ وہ یہی ہے کہ خدا ایک ہے اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم اس کا نبی ہے اور وہ خاتم الانبیاء ہے اور سب سے بڑھ کر ہے اب بعد اس کے کوئی نبی نہیں مگر وہی جس پر بروزی طور سے محمدیت کی چادر پہنائی گئی۔ کیونکہ خادم اپنے مخدوم سے جُدا نہیں۔ اور نہ شاخ اپنی بیخ سے جُدا ہے اور تم یقیناً سمجھو کہ عیسٰی بن مریم فوت ہو گیا ہے اور کشمیر سرینگر محلہ خانیار میں اس کی قبر ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں اس کے مرجانے کی خبر دی ہے اور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان کا منکر نہیں گو خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ مسیح محمدی مسیح موسوی سے افضل ہے لیکن تاہم میں مسیح ابن مریم کی بہت عزت کرتا ہوں کیونکہ میں روحانیت کی رو سے اسلام میں خاتم الخلفاء ہوں جیسا کہ مسیح ابن مریم اسرائیلی سلسلہ کے لئے خاتم الخلفاء تھا۔ موسیٰ کے سلسلہ میں ابن مریم مسیح موعود تھا۔ اور محمدی سلسلہ میں میں مسیح موعود ہوں۔ سو میں اس کی عزت کرتا ہوں جس کا ہم نام ہوں اور مفسد مفتری ہے وہ شخص جو مجھے کہتا ہے کہ میں مسیح ابنِ مریم کی عزت نہیں کرتا۔

میرے محترم خدام بھائیو!

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

مجلس خدام الاحمدیہ کے نئے سال کا ابھی آغاز ہے اور جہاں تک عہدیداران مجلس کا تعلق ہے مجھے قوی امید ہے کہ اس سال میں سے جو وقت گذر چکا ہے وہ زیادہ تر گذشتہ سال کی خامیوں کے جائزے اور آئندہ کے لئے نئے اور بہتر منصوبوں کی تیاری میں صرف ہوا ہوگا۔ کم از کم قائدین اضلاع سے مجھے یہی توقع ہے۔ کہ انہوں نے اب تک اپنے جائزے اور منصوبے مکمل کر لئے ہونگے۔ اور نئے عزم اور ولولوں کے ساتھ مسابقت کی دوڑ میں اپنی تمام قوتوں کو جھونک دینے کے لئے تیار کھڑے ہونگے۔ اب رمضان مبارک کی مصروفیات بھی گذر گئیں۔ اب عمل کی دوڑ کا مزید انتظار نہ فرمائیے۔

رمضان مبارک کی مصروفیات بھی دراصل ہمارے کام کا ایک حصہ تھیں بلکہ فی ذاتہ وہ مقصود تھیں جس کے حصول کیلئے مجلس خدام الاحمدیہ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ یہ وہ مہینہ ہے جو اسلام کا خلاصہ ہے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی جس شدت اور کثرت کے ساتھ اس مہینہ میں ہوتی ہے کسی اور مہینے میں اس کا تصور ممکن نہیں پس اس پہلو سے ہمارا یہ سال نیک شگون لے کر آیا ہے کہ سال کے آغاز ہی میں ہمیں وہ مہینہ میسر آیا جو ہمیں مقصود کے قریب لے گیا۔ بغیر ہماری کوشش اور جدوجہد کے بغیر کسی منصوبہ کے۔ بغیر کسی تنظیمی کاوش کے وہ زیر تربیت نوجوان جنہیں ہم سال بھر حیّ علی الصلوٰۃ۔ حیّ علی الفلاح کے بلاوے دیا کرتے تھے اور کوئی خاص کامیابی حاصل نہ کر سکتے تھے خود بخود اس مقدس مہینے کے عظیم اور وسیع دباؤ کے تحت اپنے

خلوت خانوں سے نکل کر مسجد کی جماعتی زندگی کی طرف چلے آئے۔

یہی نہیں بلکہ اس مہینہ میں ہمیں اپنی اپنی بساط کے مطابق دعاؤں کی بھی توفیق ملی اور یقیناً اور دعاؤں کے ساتھ عہدیداران مجالس نے اپنے لئے اور اپنے شریک کار خدام بھائیوں کے لئے پہلے سے بہت بہتر کلام کی توفیق اپنے رب سے مانگی ہوگی۔ اور خدام احمدیت کے نظام میں جڑے ہوئے کارکن خدام یقیناً ایک دوسرے کو بھی اپنی دعاؤں سے تقویت دیتے رہے ہونگے۔

پس کتنا ہی مبارک ہے یہ سال جس کا آغاز رمضان مبارک کی عظیم برکتوں کی طاقت لئے ہوئے ہے اور سال بھر کے لئے ایک زادِ راہ ہمارے ہاتھ میں دے رہا ہے۔

پس میری استدعا ہے کہ ان دعاؤں کے گھنے سائے میں مزید دُعا کرتے ہُوئے نئی اُمنگوں اور نئے ولولوں کے ساتھ میدانِ عمل میں کود جائیے۔

یاد رکھیئے آپ کا مقابلہ آپس ہی میں نہیں خود اپنے ساتھ بھی ہے آپ کا گذشتہ سال آپ کے سالِ رواں سے آگے نہ بڑھنے پائے۔ آپ کا ماضی آپ کے حال سے آگے نہ نکل سکے۔ اور مستقبل ہمیشہ نئی ترقیات کی راہیں دکھاتا ہوا آپ کے آگے آگے بھاگے۔

خُدا کرے ایسا ہی ہو! اور خدا کرے کہ ہم سچے معنوں میں خدّام احمدیّت ثابت ہوں۔ اور دین محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی ایسی شاندار خدمت کرنے کی توفیق پائیں کہ جب بعد از درود وسلام کبھی محبّت کی خاص واردات کے وقت اپنے آقا کے حضور یہ عرض کریں کہ

اُنظُر الیّ برحمۃٍ و تحنُنٍ
یا سیّدی انا احقر الغلمان

تو واقعی آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خادم نواز شفقت بھری پیار سے لبریز نگاہیں ہماری کائنات کو منوّر کر رہی ہوں۔

آپ کا بھائی۔ ایک ادنیٰ خادم
مرزا طاہر احمد
ربوہ

۱۹ فتح ۱۳۴۷ ہش

ثاقب زیروی

مَیں آپ کا ہُوں آپ سے منسُوب ہُوا ہُوں

دنیا کو نہ محبوب نہ مطلوب ہُوا ہُوں
مَیں آپ کا ہُوں آپ سے منسُوب ہُوا ہُوں

کل تک میرے سائے سے لرز جاتا تھا سُورج
آج اپنے ہی سائے سے مَیں مرعُوب ہوا ہُوں

کل تک مرا دامن تھا فرشتوں کی جبیں میں
آج اپنی نگاہوں میں ہی معیُوب ہُوا ہُوں

ہر رنگ میں پہچانتا ہُوں اُن کی تجلّی
یُوں ہوش میں رہتے ہُوئے مجذُوب ہُوا ہُوں

توفیق بھی دے ظرف بھی دے تابِ نظر بھی
کیوں اپنی تجلّی ہی سے محجُوب ہُوا ہُوں

پھر میرے خیالوں کی مسیحائی کو آجا
مَیں دارِ خیالات پہ مصلُوب ہُوا ہُوں

ہے عشق مجھے شاہدِ لولاک سے ثاقبؔ
کیُوں ظلمتِ ایّام کو مرغُوب ہُوا ہُوں

نسیم سیفی

رُوحِ رواں

محبّت کی زباں ہو کر جنوں کی داستاں بنکر
وہ میری زندگی میں آگئے رُوحِ رواں بنکر

مری ہر سانس میں پلتی ہے گردش آسمانوں کی
ہر اک لمحہ ملا ہے مجھ کو عُمرِ جاوداں بنکر

ستارے ٹوٹ کر تحلیل ہوتے ہیں فضاؤں میں
چمک اٹھتی ہے گردِ راہ اپنی کہکشاں بنکر

سرِ محفل بجھا دیتی تھی دامن کی ہوا اس کو
مگر اب جل رہا ہے دل چراغِ کارواں بنکر

میسّر ہی نہیں ہے عشرتِ احساسِ آپ جُو
ہم اپنے آپ سے کھوئے گئے ہیں بیکراں بنکر

کوئی مُنہ ڈال کر اپنے گریباں میں ذرا دیکھے
پکار اٹھتا ہے دل آزاد فطرت کی زباں بنکر

نسیم اپنی حیاتِ چند روزہ تلخ تر کر لی
کسی کو رازداں کر کے کسی کے رازداں بنکر

فیچر

پیشکردہ: ظہیر الدین منصور احمد

ایک مُصلح ــــ ایک محسن

ھوشیار پور کا نام سنتے ہی تاریخ احمدیت کا ایک ورق سامنے آجاتا ہے۔ خدا کے مسیح نے ہوشیار پور کے گوشۂ تنہائی میں اپنے قادر و توانا خدا سے دعا کی۔ وہ دعا کیا تھی ایک مسلسل آہ و بکا تھی جس نے خدائی رحمت کو بندوں کے قریب تر کر دیا وہ اپنے رب کے حضور ماہئ بے آب کی طرح تڑپا اور عرض کی کہ اے میرے آقا! اے دینِ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے محافظ۔ اسلام کی کشتی ڈوب رہی ہے تو اس کو بچا لے۔ اسلام کی ترقی کا زمانہ قریب کر تا کہ دنیا کے چپہ چپہ پر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بادشاہت قائم ہو جائے۔

اللہ تعالٰے کی یہ سنت ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے انبیاء کی متضرعانہ دعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔ یہی محبت و شفقت کا سلوک حضرت مسیح پاک علیہ السلام سے ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دیوانہ مجنوں وار) بندے کی تضرعات کو سنا ۔ وہ اس کی طرف بے حد محبت اور پیار کے ساتھ بڑھا اور اس کو اپنی آغوشِ شفقت میں لے کر کہا کہ "اے میرے پیارے بندے غم نہ کر۔ میں نے تیری دعاؤں کو قبول کر لیا۔ میں تجھے ایک فرزندِ دلبند و گرامی ارجمند کی بشارت دیتا ہوں چنانچہ فرمایا۔

"میں تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں اسی کے موافق جو تو نے مجھ سے مانگا۔ سو میں نے تیری تضرعات کو سنا اور تیری دعاؤں کو اپنی رحمت سے بپایۂ قبولیت میں جگہ دی۔ اور تیرے سفر کو (جو ہوشیار پور اور لدھیانہ کا سفر ہے) تیرے لئے مبارک کر دیا۔ سو قدرت اور رحمت اور قربت کا نشان تجھے دیا جاتا ہے۔ فضل اور احسان کا نشان تجھے عطا ہوتا ہے اور فتح اور ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے۔ اے مظفر تجھ پر سلام۔ خدا نے یہ کہا تا وہ جو زندگی کے خواہاں ہیں موت کے پنجہ سے نجات پاویں۔ اور وہ جو قبروں میں دبے پڑے ہیں۔ باہر آویں۔ تا دینِ اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو۔ اور تا حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آجائے اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جائے اور تا لوگ سمجھیں کہ میں قادر ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔ اور تا وہ یقین لائیں کہ میں تیرے ساتھ ہوں۔ اور تا انہیں جو خدا کے وجود پر ایمان نہیں لاتے اور خدا کے دین اور اس کی کتاب اور اس کے پاک رسول محمد مصطفٰے کو انکار اور تکذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ایک کھلی نشانی ملے اور مجرموں کی راہ ظاہر ہو جائے۔

تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ ایک ذکی غلام تجھے ملیگا۔ وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذریت و نسل ہوگا۔

خوبصورت پاک لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے اس کا نام عنموائیل اور بشیر بھی ہے اس کو مقدس روح دی

گئی ہے اور وہ رجس سے پاک ہے وہ نور اللہ ہے مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے۔

اس کے ساتھ فضل ہے جو اس کے آنے کے ساتھ آئے گا۔ وہ صاحبِ شکوہ اور عظمت و دولت ہوگا۔ وہ دنیا میں آئے گا۔ اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کریگا وہ کلمۃ اللہ ہے۔ کیونکہ خدا کی رحمت و غیوری نے اسے کلمۂ تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا اور دل کا حلیم اور علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائیگا۔ اور وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا۔ (اس کے معنے سمجھ میں نہیں آئے) دوشنبہ مبارک ہے دوشنبہ۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند مظہر الاول والآخر۔ مظہر الحق والعلاء کأن اللہ نزل من السماء۔ جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا۔ اور زمین کے کناروں تک شہرت پائیگا۔ اور قومیں اس سے برکت پائیں گی تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا۔ وکان امراً مقضیاً" (اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء)

؎ جس بات کو کہے کہ کروں گا میں وہ ضرور ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

پس اس کی پیشگوئی پوری ہوئی۔ ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء کو وہ خوبصورت زکی غلام مسیحی نفس دنیا میں آیا وہ حسن و احسان میں اپنے عظیم الشان باپ کا نظیر تھا وہ سخت ذہین و فہیم لڑکا جلد جلد بڑھا اور علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا گیا۔

یہ وہ صاحبِ شکوہ و عظمت تھا جسے خدا نے مصلح موعود کے عظیم الشان خطاب سے نوازا۔ وہ خلق اللہ کی محبت سے سرشار دل، ساری عمر دنیا کی اصلاح و بہبود کی کوشش میں لگا رہا۔ راتوں کی تاریکیوں میں جاگ جاگ کر اس نے ان کے لئے دعائیں کیں۔ وہ ہر ایک کا مصیبت میں سہارا بنا اور ہر ایک کام پہ گرتوں کو تھاما۔ اس موعود فرزند نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ جماعت کی خدمت میں صرف کیا۔ وہ ایک بے مثال مربی تھا جس نے جماعت کی تربیت اس رنگ میں کی کہ جس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔ میری مراد خلافتِ ثانیہ کے تاجدار یعنی حضرت فضل عمرؓ سے ہے:

★ ★ ★ ★ ★ ★ ★ ★ ★

حضرت سیدہ مہر آپا صاحبہ حرم حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ تحریر فرماتی ہیں:۔

"قادیان کی بات ہے۔ ایک دفعہ میں اپنے کمرہ میں تھی۔ چند بچے میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ظہر کی اذان ختم ہوئے غالباً پندرہ بیس منٹ ہو چکے ہونگے۔ کہ سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ آتے ہی پہلے تو حسب معمول خیریت پوچھی۔ کچھ لطیفے سنائے ہنسی مذاق کی ایک دو باتیں کیں۔ اچانک آپ کی نگاہ ایک ایسے بچے پر پڑی جو ماشاء اللہ سمجھدار تھا۔ آپ کا موڈ فوراً بدل گیا۔ اور نہایت سنجیدہ ہو گئے۔ اور غصے میں فرمایا۔ یعنی اس بچے کو مخاطب ہو کر فرمایا۔ تمہیں پتہ نہیں کہ مسجد میں اذان ہو گئی ہے۔ ظہر کی نماز کا وقت ہے تم ابھی تک گھر میں بیٹھے باتوں میں مصروف ہو۔ ابھی تک تم نے نہ وضو کیا ہے اور نہ ہی مسجد میں جانے کی تیاری کی ہے۔ شرم اور افسوس کا مقام ہے۔ تم خدا کو کیا منہ دکھاؤ گے؟ اور مجھے فرمایا۔ کہ تم پہ بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے

کہ تم نے اس بچے کو کیوں توجہ نہ دلائی - ایسی صورت میں اگر ضرورت پڑے تو تمہارا حق ہے کہ تم اسے ڈانٹو اور ایسے معاملات میں سختی کرو - خواہ وہ بچہ سمجھدار اور ذمہ وار ہی کیوں نہ ہو -

سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا عام طور پر بچوں سے سلوک نہایت مشفقانہ تھا - مگر جہاں کہیں دینی معاملات میں آپ کو ذرہ بھر بھی کوتاہی نظر آجاتی - آپ اسے برداشت نہ کر سکتے - آپ کا رویہ سخت ہو جاتا - خدا تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری میں معمولی سی کوتاہی بھی آپ پسند نہ فرماتے - پس ہزاروں درود اس محسن اعظم آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کے خلفاء پر کہ جن کی بدولت ہمیں ان احکام کی بجا آوری کا شعور ہوا -

آپ خدام بھی اس باغ احمد کی کلیاں ہیں - آپ بھی حضور رضی اللہ عنہ کے ان فرمانوں کو ہمیشہ مدنظر رکھیں - اور حضور کی ان حسین خواہشات کو کما حقہ پورا کرنے کی کوشش کریں - اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسا کرنے کی توفیق دے ؎

* * * * * * * * * * * *

مہمان نوازی حضور کی طبیعت کا خاصہ تھی - ہمیشہ مہمان کو آرام پہنچانے کی کوشش فرماتے -

مکرم و محترم صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

"حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی سیرت کے واقعات میں سے کسی ایک کو چننا ایک مشکل کام ہے لیکن جلسہ سالانہ کی مناسبت سے جبکہ مہمانان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد آمد ہوگی حضور کے اکرام ضیف سے متعلق مختصراً واقعہ عرض کرتا ہوں -

ڈلہوزی کی بات ہے حضور اپنی نئی کوٹھی بیت الفضل میں قیام فرما تھے ان دنوں دستور یہ تھا کہ باہر سے آنے والے تمام ملاقاتی خواہ جماعتی کام سے حاضر ہوں یا ذاتی ملاقات کے لئے آئیں - حضور کے ذاتی مہمان شمار ہوتے تھے اور حضور اس بات کا خاص خیال فرماتے تھے کہ انہیں کھانے سے متعلق کسی قسم کی کوئی شکایت نہ ہو - چونکہ بعض دفعہ مہمان اور افراد خانہ کی کثرت کے باعث کھانے کا معیار گر جاتا تھا - اس لئے حضور کے اہل بیت میں سے وہ زوجہ محترمہ جن کے ہاتھ میں انتظام ہوتا - اس خیال سے کہ حضور کی خوراک بہت تھوڑی ہے اگر کھانا معمولی قسم کا ہو - تو غذائیت بھی پوری نہیں ہوگی - حضور کے لئے خاموشی کے ساتھ کچھ الگ کھانا پکوالیتی تھیں -

ایک دفعہ ایسے ہی موقعہ پر حضور نے پہلا نوالہ اٹھایا ہی تھا کہ خادمہ کی کسی بات سے حضور نے یہ اخذ فرمالیا کہ مہمانوں کو جو کھانا دیا جا رہا ہے وہ اس سے مختلف ہے جو حضور تناول فرمانے لگے ہیں - یہ معلوم کرتے ہی لقمہ واپس پلیٹ میں پھینک دیا - اور بغیر کچھ کھائے میز سے اٹھکر اپنے کمرہ میں تشریف لے گئے یہ کہتے ہوئے کہ میں ایسا کھانا نہیں کھا سکتا جو مہمانوں کے لئے اور ہو اور گھر والوں کے لئے اور یا اس مفہوم کے الفاظ تھے کہ میں ایسا کھانا نہیں کھا سکتا - کہ مجھے بہتر کھانا ملے اور مہمانوں کو ادنیٰ - حضور کے اس ہاتھ کھینچنے پر تمام اہل بیت نے کیا بڑے اور کیا بچے اپنے اپنے ہاتھ کھینچ لئے اور اس رات کسی نے کھانا نہیں کھایا

اس سے ہمارے خدام بھائی اندازہ کر سکتے ہیں کہ اسلام کا خدا اور اس کا رسول اور اس کے خلفاء جن اخلاق کی طرف ہمیں بلا رہے ہیں - ان کا مقام کتنا بلند رہے ؟

حضورؓ کا عشقِ رسولؐ ایک ایسا پہلو ہے جسے ہم کبھی بھی فراموش نہیں کر سکتے۔ حضورؓ کے منہ سے جب بھی رسول کریمؐ کا نام مبارک نکلتا گویا عشق کے دریا رواں ہو جاتے۔ اس بارے میں مکرم محترم صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب بیان فرماتے ہیں:۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کو قریب سے اور غائر نظر سے دیکھنے کا موقع مجھے ملا ہے میں نے آپ کو قال اللہ و قال الرسول پر عامل پایا۔

کسی انسان کے مقرب بارگاہِ الٰہی ہونے کی سب سے بڑی نشانی اس کا رسول اللہ صلعم کا غلام ہونا ہے۔ میں نے حضور کو اپنے سید و مولیٰ محمد مصطفےٰ صلعم کا سچا غلام پایا اور رسول اللہ صلعم کے عشاق میں سے۔

حضور کی زندگی کے واقعات میں سے ایک واقعہ جو اگرچہ بہت چھوٹا سا اور بظاہر معمولی سا ہے مگر میری یادوں میں اس طرح نقش ہے کہ کسی طرح بھلایا نہیں جا سکتا۔ ۱۹۴۲ء کا واقعہ ہے اس وقت اپنی کم عمری اور کم علمی کی وجہ سے میرا خیال تھا کہ مسلمانوں میں یہ جو طریق رائج ہے کہ خدا اور رسولؐ نے یوں کہا ہے یہ ٹھیک نہیں۔ خدا تعالےٰ کے ساتھ اور کو کیوں ملایا جائے خواہ وہ خدا کا رسول ہی کیوں نہ ہو۔

رمضان المبارک کا مہینہ تھا اور ہم حضور رضی اللہ عنہ کے ساتھ روزہ افطار کر رہے تھے اور اس دوران میں حضور کسی خاتون سے گفتگو بھی فرما رہے تھے وہ گفتگو کیا تھی۔ میں نے اس طرف توجہ دی مگر یکدم حضور کے یہ الفاظ میرے کانوں میں پڑے کہ "اللہ اور اس کے رسول کا تو فیصلہ ہے"۔ کیا فیصلہ ہے مجھے یاد نہیں نہ میری اس گفتگو کی طرف توجہ تھی۔ مگر اللہ اور اس کے رسول کے الفاظ کچھ ایسے جذبے کے ساتھ اور محبت کی ایسی کیفیت سے کہے گئے تھے کہ میرے دل پر نقش ہو گئے۔ آج بھی وہ منظر وہ سارا سماں اور یہ الفاظ کہ "اللہ اور اس کے رسول کا تو یہ فیصلہ ہے" میرے لئے ایسے ہیں جیسے کہ ابھی کل کی بات ہو۔ ان الفاظ کے کانوں میں پڑتے ہی گویا میری آنکھیں کھل گئیں۔ یہ پہلا دن تھا جب خدا تعالےٰ سے اس کے رسولؐ کے مقام قرب کا صحیح احساس ہوا۔ اور علمِ توحید کا ایک نیا باب مجھ پر کھلا۔ اس میں رمضان المبارک کی تنویرِ قلب بخشنے والی تاثیرات کا بھی دخل ہو گا۔ لیکن میں اسے خدا کے اس بندے اور محمد مصطفےٰ صلعم کے اس غلام کے جذب روحانی کا کرشمہ سمجھتا ہوں۔ ع "خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را"۔

* * * * * * * * *

مکرم محترم صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو جماعت میں ڈسپلن (نظم و ضبط) کا بہت خیال رہتا تھا۔ اسی وجہ سے خاص طور پر خدام الاحمدیہ یعنی بچوں اور نوجوانوں میں ڈسپلن پر حضور بہت زور دیتے تھے حتیٰ کہ خدام الاحمدیہ کے لئے حکم تھا کہ پہلے سزا جو کہ بالا افسران کی طرف سے بطور اصلاح کے دی جاتی تھی لیں اور اگر ان کو اس سزا پر کوئی اعتراض ہے تو بعد میں اس کی اپیل کریں۔ حضور فرماتے تھے۔ کہ وہ قوم جو اصلاح کی خاطر سزا نہیں دیتی اور افراد جن کی اصلاح کے لئے سزا تجویز کی جاتی ہے وہ سزا نہیں لیتے۔ ایسی قوم دنیا میں کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔ اسی لئے نوجوانوں اور بچوں میں یہ روح پیدا

کرنے کے لئے۔ قادیان میں۔ خدام الاحمدیہ کے لئے وزریعہ اصلاح مختلف نوعیت کا رائج کیا گیا تھا۔ جس میں استغفار کٹ پریڈ اور بدنی سزا بھی دی جاتی تھی۔ تاکہ خدام کو بشاشت سے سزا دینے اور سزا لینے کی عادت پڑے۔ یہ دونوں چیزیں قومی ترقی کے لئے نہایت ضروری ہیں۔

حضور اکرامِ ضیف کا بھی بہت خیال رکھتے تھے۔ خاص طور پر جلسہ سالانہ کے موقع پر۔ کارکنان کو یہ ہدایت ہوتی تھی کہ مہمانوں کے لئے ہر قسم کی سہولت جو سلسلہ کے بس میں ہے دی جائے۔ اور ان سے نرمی اور محبت کا سلوک کیا جائے ایسے کارکنان جو مہمانوں کا خیال نہیں رکھتے تھے۔ ان کے لئے سخت سے سخت سزا بھی حضورؓ کی طرف سے مل سکتی تھی ایک واقعہ جو میرے ساتھ پیش آیا درج ذیل ہے۔

غالباً تقسیم ہند سے چار یا پانچ سال پہلے کی بات ہے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر مجھے محلہ دارالفضل کے لنگر کا ناظم مقرر کیا گیا۔ وہاں پر لوگ قطاروں میں کھڑے ہو کر کھانا لیا کرتے تھے۔ نگران مقرر تھے۔ کہ لوگوں کو صحیح طور پر لائنوں میں کھڑا رکھیں اور باری باری کھانا لے کر اطمینان سے جائیں۔ ایک دن نگران میرے پاس آیا۔ اسی وقت شام کا کھانا تقسیم ہو رہا تھا۔ اس نے کہا کہ ایک لڑکا شرارت کر رہا ہے اور جب اسے کہا گیا کہ لائن میں کھڑے ہو کر کھانا لو۔ تو اس نے نگران اور جلسہ کے متعلق بیہودہ باتیں کی ہیں اسلئے آپ خود جا کر اس معاملہ کو سلجھائیں۔ میں باہر گیا تو دیکھا کہ وہ مہمانوں کو تنگ کر رہا ہے اور بیہودہ باتیں کر رہا ہے میں نے اس کو پکڑ کر وہاں پر سزا دی۔ اس دوران میں دو تین مہمان جن میں ایک سرکاری افسر بھی تھے وہاں پر آ گئے اور انہوں نے کہا کہ مہمانوں کو کیوں مارتے ہو وغیرہ وغیرہ۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ محلہ دارالفضل کا لڑکا ہے میں اسے جانتا ہوں اس کی اصلاح بغیر سزا کے نہیں ہو سکتی۔ میں لنگر خانہ میں آ گیا۔ اور نو بجے کے قریب جب میں کام ختم کر کے آنے لگا۔ تو حضرت میر محمد اسحاقؓ کا فون آیا۔ کہ حضورؓ کے پاس بعض مہمانوں نے شکایت کی ہے۔ جو ننگلمری کی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں کہ ہم محلہ دارالفضل کا لنگر دیکھنے گئے تو وہاں ناظم صاحب نے مہمانوں کو پیٹا اور ان سے بدسلوکی کی اور حضور نے فرمایا ہے صبح نو بجے (اگلے دن) حضورؓ نے جو تقریر فرمانی تھی۔ وہ نہیں فرمائیں گے جب تک اس معاملہ کی پوری رپورٹ ایک کمیشن مقرر کر کے نہ کی جائے گی۔ اس کے لئے حضرت میرزا بشیر احمد صاحب کو کمیشن مقرر کیا جاتا ہے جو صبح سات بجے دارالبرکات میں اپنا اجلاس کرے گا۔ آپ کو اور ان لوگوں کو جنہوں نے شکایت کی ہے اطلاع کی جاتی ہے اگلے دن صبح سات بجے حضرت میاں بشیر احمد صاحب دارالبرکات تشریف لائے میں وہیں پر موجود تھا۔ فرمانے لگے حضور بہت ناراض ہیں۔ میں نے عرض کیا جو کچھ میں نے کیا ہے اپنی ڈیوٹی اور فرض کو مدنظر رکھ کر کیا ہے۔ باقی جو حضور سزا دیں گے میں بخوشی منظور کروں گا۔ میں نے عرض کی میرا بیان چھوٹا سا ہے اور وہ تین چار سطروں میں آ جائیگا۔ میں نے بیان دیا۔ کہ میری دو حیثیتیں ہیں ایک ناظم جلسہ سالانہ محلہ دارالفضل اور دوسری مہتمم خدام الاحمدیہ۔ پہلی شکل میں اگر کوئی فساد کرتا ہے تو میرا کام ہے کہ جو مجھے خدا تعالےٰ نے سمجھ دی ہے اسکے مطابق عمل کروں اور اس کو ٹھیک کرنے کی کوشش کروں۔ دوسری شکل میں خدام الاحمدیہ کے مہتمم کی حیثیت سے قادیان کے لڑکوں کی اصلاح کیلئے بدنی سزا بھی دینے کا مجاز ہوں یہ سمجھتے ہوئے کہ اس شخص کی اصلاح ہو جس نے شر پیدا کیا اور دوسرے شرپسند عناصر کے لئے عبرت کا موجب بنے اور آئندہ بھی اگر کوئی ایسی صورت پیدا ہو اور ایسے حالات ہوں

تو میں اسی قسم کی سزا دونگا۔ دوسرے دوستوں نے بہت لمبا چوڑا بیان دیا۔ جو نصف گھنٹہ سے زائد وقت میں لکھا گیا۔ اس کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں تمام کارروائی ۹ بجے سے پہلے حضرت میاں بشیر احمد صاحب نے بھجوا دی۔ حضور ٹھیک وقت پر سٹیج پر تشریف لائے۔ اور اس معاملہ کے متعلق ذکر کرکے فرمایا۔ قادیان میں ہم نے بشاشت سے سزا دینے اور سزا لینے کا خدام الاحمدیہ کے ذریعہ جو کام شروع کیا ہے۔ وہ ابھی تک باہر کی جماعتوں میں رائج نہیں ہوا۔ آہستہ آہستہ ان لوگوں کو بھی اس کا علم ہو جائے گا اور یہ کارروائی محض جماعتی نظام کو مد نظر رکھتے ہوئے کی گئی ہے اور باہر کے دوستوں کو چونکہ اس چیز کا علم نہیں ہے اس لئے وہ اس کو برا مناتے ہیں۔ آہستہ آہستہ وہ بھی اس سے واقف ہو جائیں گے۔

ان باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضورؓ ڈسپلن کو جماعت میں قائم کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے رہے ہیں اور دوسرے یہ بھی برداشت نہیں کرتے تھے کہ مہمانوں پر کسی قسم کی سختی کی جائے یا ان سے بدسلوکی سے پیش آیا جائے۔ اکرام ضیف نہایت ضروری ہے اسی لئے فرمایا۔ کہ میں تقریر نہیں کروں گا۔ جب تک اس معاملہ کا مجھے پوری طرح علم نہ ہو جائے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ"

* * * * *

۵۔ مکرمہ محترمہ صاحبزادی امۃ الرشید صاحبہؓ فرماتی ہیں:۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ جلسہ پر آنے والے مہمانوں کا بے حد خیال فرماتے۔ جلسہ کے ایام میں آپ کی مصروفیات اس قدر بڑھی ہوئی ہوتی تھیں کہ عام آدمی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اس کے باوجود آپ آنے والوں مہمانوں کے متعلق ذاتی نگرانی بھی فرماتے کہ ان کو کسی قسم کی تکلیف تو نہیں لنگرخانوں میں بذاتِ خود تشریف لے جاتے۔ ہر قسم کے انتظام کا معائنہ فرماتے اور چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال فرماتے جس کی طرف ہر ایک کی نگاہ نہیں جا سکتی۔ مستورات کے قیام کا انتظام موجودہ صورت میں نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ قادیان میں صرف تین گھروں میں مستورات کے قیام کا انتظام ہوتا تھا۔ حضرت ام المومنینؓ کے مکان میں۔ حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کے مکان میں اور مرزا گل محمد صاحب کے مکان میں۔ حضرت ام المؤمنینؓ اور مرزا گل محمد صاحب کے مکانوں میں جو مہمان مستورات اور بچے ٹھہرے ہوئے ہوتے کھانا تو ان کا لنگر خانے سے آتا۔ لیکن چاول پرہیزی۔ صبح کے وقت چائے اور رس بسکٹ وغیرہ کا انتظام ان سینکڑوں مستورات کا ہم چاروں حرم میں ہر ایک کے سپرد ایک ایک دن مقرر فرماتے کہ مہمانوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ اور میری ہر بیوی ایک ایک دن ان تمام مہمانوں کو جو ہمارے گھروں میں۔ حضرت ام المؤمنینؓ کے گھر میں اور مرزا گل محمد صاحب کے گھر میں ٹھہرے ہوئے ہیں ان میں سے جو بیمار ہوں یا بچے ہوں ان کو ان کی خواہش کے مطابق گھر سے کھانا۔ اور صبح کا ناشتہ ملے......۔ حالانکہ یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ یہی سمجھ لیں کہ جس طرح اب قیامگاہوں میں مستورات ٹھہرتی ہیں اسی طرح کی قیامگاہ وہ ہوتی تھی۔ اور کوئی الگ قیامگاہ نہیں تھی۔ حضور کی بیویاں ایک ایک دن منتظمین سے اپنے سامنے چائے بنواتیں اور اپنے ہاتھ سے تمام مہمانوں میں تقسیم کرتیں۔ اور پھر حضور کی ہدایت کے مطابق باقاعدہ حضور کو اطلاع دی جاتی کہ تمام مہمانوں نے ناشتہ کر لیا ہے۔ یہ تو حضور کے مہمان نوازی کے جذبے کی ایک جھلک ہے۔

* * * * * * * * * *

حضور کو اکثر نئی نسل کا خیال رہتا۔ کیونکہ آئندہ جماعت کا دارومدار ان پر ہی تھا۔

مکرم و محترم سید عبدالرزاق شاہ صاحب فرماتے ہیں:۔

یہ قادیان دارالامان کی بات ہے کہ ہم چند طلباء صبح کی نماز اکثر مسجد مبارک میں حضور رضی اللہ تعالیٰ کی اقتداء میں پڑھا کرتے تھے۔ ایک دن صبح کی نماز کے بعد حضرت المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ نے مسجد کے دروازے نماز ختم ہوتے ہی بند کرا دیئے۔ اور کسی لڑکے کو باہر جانے کی اجازت نہ دی۔ لڑکوں کو جو موجود تھے کھڑا کر کے ان کی تعداد گن لی۔ کچھ لڑکے اپنے پاس بلا لئے اور باقی جو تھے ان کو حضرت مولوی سرور شاہ صاحب رضی اللہ عنہ کے پاس بھجوایا اور فرمایا ان کا امتحان لو۔ کہ ان کو نماز باترجمہ یاد ہے یا نہیں۔ حضورؓ نے بھی امتحان لیا۔ میں حضرت مولوی صاحب کے گروپ میں تھا۔ امتحان کی رپورٹ کے بعد حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب کو اکٹھا کیا اور فرمایا۔

"کہ جو نوجوان نماز باقاعدگی سے باجماعت مسجد میں پڑھتا رہے گا وہ کبھی بھی ضائع نہ ہوگا"

اس پر ہم سب نے مل کر پختہ عہد کیا کہ ہم سب نمازیں باقاعدہ باجماعت مساجد میں ادا کیا کریں گے۔ اس وقت کے تقریباً سب نوجوان مساجد میں نماز باجماعت کی سختی سے پابندی کرتے رہے۔ چنانچہ ان میں سے جو اس وقت زندہ ہیں آپ ان کو دیکھ سکتے ہیں۔ کہ وہ باقاعدہ نماز باجماعت کے عادی ہیں۔ حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمان، کہ نمازیں باقاعدہ پڑھنے والا کبھی ضائع نہ ہوگا" بالکل صحیح نکلا۔ ہم میں سے سب نے اس کا تجربہ کیا ہے کہ دینی و دنیاوی لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا ہم پر بڑا ہی فضل ہوا ہے۔ آپ جو اس وقت کے نوجوان ہیں۔ میرے اس بات کے بیان کرنے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نمازیں باجماعت مساجد میں ادا کرنے کے پابند ہو جائیں۔ تو اللہ تعالیٰ آپ کو بھی دینی و دنیاوی فضلوں کا وارث بنائے گا۔ انشاء اللہ العزیز۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت صاحب رضی اللہ تعالیٰ کو حضرت رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قرب میں رکھے اور حضرت اقدس کی اولاد در اولاد کو تا قیامت دین و دنیا میں بیش از بیش نعماء سے متمتع فرماتا رہے۔ آمین ثم آمین ؛

★ ★ ★ ★ ★ ★ ★ ★ ★ ★ ★

حضور انتہائی مصروفیات کے باوجود ہر ایک سے خندہ پیشانی سے پیش آتے اور حضور کی طبیعت میں کافی حد تک مزاح بھی پایا جاتا تھا۔ لیکن جو بات حضور نے مذاق میں بھی کہی اسے بھی خدا نے پورا کر دکھایا۔

مکرم و محترم میاں غلام محمد صاحب اختر بیان فرماتے ہیں:۔

"۱۹۴۲ء میں خاکسار دہلی میں محکمہ ریلوے میں راشننگ آفیسر تھا۔ ایک مرتبہ مصروفیت کے باعث دو تین ماہ تک حضور کی زیارت نہ کر سکا۔ دل میں تڑپ لگتی کہ یہ غلام کسی دن آقا کے دربار میں حاضری دے کہ ایک دن حضور کا پیغام ملا کہ ڈلہوزی آ کر مل جاؤ۔ چنانچہ میں ڈلہوزی پہنچا۔ حضور ان دنوں "امرولا" میں مقیم تھے۔ میری آمد کی اطلاع ہونے پر یکمال مہربانی حضور باہر تشریف لائے اور خندہ پیشانی سے میرا استقبال فرمایا۔

شام چار بجے حضور کوٹھی کی site دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے۔ یہ جگہ "امرولا" سے تقریباً اڑھائی میل کے فاصلہ پر تھی۔ وہاں کافی دیر ٹھہرے۔ اس دوران میں مجھے بوجہ پہاڑی سفر سردرد کی شکایت ہو گئی۔ تو میں ایک طرف جا کر جھاڑیوں میں لیٹ گیا۔ حضور نے دریافت فرمایا۔ "اختر کہاں ہے؟" کسی نے اشارہ کیا کہ وہاں لیٹا ہوا ہے۔ تو حضور مع خدام وہاں تشریف لے آئے۔ میں باادب کھڑا ہو گیا۔ فرمانے لگے کیا ہوا ہے؟ میں نے عرض کی کہ سردرد کی شکایت ہے۔ فرمایا۔ "عورتوں والی بیماری لے بیٹھے ہو"۔ اتنے میں درد صاحب بھی وہاں آ گئے اور ہنس کر دریافت کرنے لگے کہ اختر صاحب، کا کیا معاملہ ہے؟ میں نے کہا۔ آپ کو Knight یعنی "سر" کا خطاب دیا گیا ہے مزا پا رہا ہوں۔

حضور اس لطیفہ سے بہت محظوظ ہوئے اور فرمایا۔ کہ اب یہ بڑا افسر ہو گیا ہے۔ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب نے مجھے بعد میں کہا کہ تم بڑے افسر ہو جاؤ گے۔

خدا کی قدرت کہ چند دن بعد ہی مجھے غیر معمولی ترقی ملی۔ فالحمد للہ۔ خدا تعالیٰ کے پاک بندوں کی باتیں کیا اثر رکھتی ہیں ؎

؎ ؎ ؎ ؎ ؎ ؎ ؎ ؎ ؎

یہ حضرت سیدنا حضرت المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ و نور اللہ مرقدہٗ کی مقدس زندگی کی چند جھلکیاں تھیں جو قارئین کے سامنے پیش کی گئیں ورنہ واقعات تو اتنے ہیں کہ ایک ضخیم کتاب بھی ان کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ بہرحال حضور کے اہل بیت میں سے چند افراد نے اور آپ کے چند مخلص خدام نے اپنے دلی جذبات اور اپنے ساتھ پیش آئے ہوئے واقعات کو آپ کے سامنے پیش کیا ہے تاکہ آپ اپنی ذات میں وہ خوبیاں پیدا کریں جو حضور کے وجودِ مبارک سے وابستہ تھیں۔

ہزاروں سلام و درود ہو محمد رسول اللہؐ پر کہ آپؐ کے نور سے سیدنا المصلح الموعودؓ نے نور حاصل کیا۔ اور سلامتی ہو سیدنا المصلح الموعودؓ پر جنہوں نے محمد رسول اللہؐ کے نور کو جذب کر کے اپنے اندر وہ خوبیاں پیدا کیں۔ جن خوبیوں کا مالک انسان صدیوں بعد کوئی دنیا میں آتا ہے ؎

رپورٹوں کی اہمیت:- بہت سی مجالس خدام الاحمدیہ مرکز کو اپنی ماہانہ رپورٹ کارگذاری بھجوانے میں سستی کرتی ہیں جس کی وجہ سے مرکز کو بروقت ان کے حالات کا علم نہیں ہوتا۔ جملہ قائدین مجالس کو چاہیئے کہ اس معاملہ میں کبھی سستی نہ کریں۔ اور ہر ماہ کی دس تاریخ تک پچھلے ماہ کی کارگذاری کی مختصر رپورٹ مقررہ فارم پر مرکز کو ضرور بھجوا دیا کریں۔ جزاکم اللہ۔

(معتمد مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ)

سیاحت

"کوہِ لغمان میں شہزادہ نبی کا چبوترہ"

(مرزا نصیر احمد بی۔ اے۔ جامعہ احمدیہ)

لغمان افغانستان کے مشرقی صوبوں میں سے ایک صوبہ ہے۔ جس کا مرکز مہتر لام ہے پہلے پہل تورخم سے لیکر سڑبی تک اور دریائے کابل کے جنوب سے شمال میں باجوڑ تک یہ تمام علاقہ ننگراریا "مشرقی" کہلاتا تھا۔ مگر بعد میں یہ ولایت تین صوبوں یعنی ننگرہار۔ کنار اور لغمان میں تقسیم کر دی گئی۔ چنانچہ موجودہ قسمتوں میں (اور دوسرے صوبوں کی طرح لغمان) بھی ایک مستقل حیثیت رکھنے والا صوبہ ہے۔

لغمان زمانہ قدیم میں ایک بہت بڑی ریاست تھی اور قدیم ہندوستان کی شمال مغربی سرحد شمار ہوتی تھی۔ اس علاقہ پر کشن خاندان اور موریہ خاندان کی بھی حکومت رہی ہے۔ زمانہ قدیم میں لغمان کا نام لمپاکا یا لمپا کا استعمال ہوتا رہا ہے۔ سنسکرت زبان میں اس کا نام لامپاکا لیا جاتا تھا۔ اسی طرح چینی سیاح ہیون سانگ نے اپنے سفرنامہ میں اس کو لامپو کے نام سے یاد کیا ہے۔ اسلامی حکومتوں کے دوران اس کا نام لمقان تھا جس کا ثبوت شاہانِ افغانستان کے بعض قدیم شاہی فرامین کو دیکھنے سے ملتا ہے۔ جن پر اُن بادشاہوں کی مہریں ثبت ہیں۔ اشوک نے ہندوستان کے بعض دوسرے علاقوں کی طرح اس علاقہ میں بھی مشہور شاہراہوں پر واقع کتبوں پر بدھ کی تعلیمات کندہ کروائیں۔ چنانچہ لغمان سے قدیم زمانہ کا ایک آرامی زبان کا کتبہ دستیاب ہوا ہے جس کو Ashokas Inscription of Lampaka" کا نام دیا گیا ہے:۔

کوہ لغمان کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی بعض کتب میں متعدد جگہ ذکر فرمایا ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں :۔

"لیکن اب ایک اور خیال باقی ہے کہ اگر پورا ہو جائے تو نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ہوگا اور وہ دو باتیں ہیں۔ اوّل، یہ کہ میں نے سُنا ہے کہ کوہ لغمان میں جو شہزادہ نبی کا چبوترہ ہے اس کے نام ریاست کابل میں کچھ جاگیر مقرر ہے۔ لہٰذا اس غرض کے لئے بعض احباب کا کوہ لغمان میں جانا اور بعض احباب کا کابل میں جانا اور جاگیر کے کاغذات کی ریاست کے دفتر سے نقل لینا فائدہ سے خالی معلوم نہیں ہوتا"

نیز آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ

کابل اور کوہ لغمان میں بھیجنے کے لئے اسی نواح کے بعض آدمی تجویز کئے گئے ہیں۔ کیونکہ وہ اس ملک اور ان پہاڑوں کے خوب واقف ہیں"۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس خواہش کی بناء پر مجھے لغمان جانے اور اس چبوترہ کے متعلق

معلومات فراہم کرنے کا بہت شوق تھا۔ اس سال موسم گرما کی تعطیلات میں مجھے افغانستان جانے کا اتفاق ہوا۔ جانے سے قبل میرے استاد مکرم ومحترم میر محمود احمد صاحب نے بعض ضروری ہدایات فرمائیں۔ جو بعد میں بہت مفید ثابت ہوئیں کابل پہنچنے پر مجھے معلوم ہوا کہ میرے راستے میں بہت مشکلات درپیش تھیں جن میں سب سے اہم لغمان جانے کے لئے وزارت داخلہ کی اجازت حاصل کرنا اور ایک مناسب گائیڈ کو تلاش کرنا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے دونوں مشکلات حل کر دیں۔ اور میرے ساتھ لغمان جانے کے لئے میرے ایک عزیز مکرم سید محمود احمد سادات تیار ہوگئے اور باوجود اس کے کہ دو تین روز کے بعد ان کا امتحان ہونے والا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس مبارک خواہش کو سُنکر انہوں نے اپنے امتحان کو بھی نظر انداز کر دیا چنانچہ ہم نے ۸ ستمبر کو روانگی کا پروگرام بنایا۔

لغمان جانے کے لئے کابل سے بسیں "پل محمد خان" سے روانہ ہوتی ہیں۔ جہاں سے لغمان کے لئے دن میں صرف تین بسیں چلتی ہیں۔ کابل سے بس روانہ ہو کر جلال آباد سے تقریباً بیس میل ادھر ہی بائیں طرف یعنی شمال کی جانب مڑتی ہے اور دریائے کابل کو "پل سرخکان" کے ذریعہ عبور کر کے لغمان کی وادی میں داخل ہوتی ہے۔ یہاں سے سڑک شمال کی طرف وادی کے ساتھ ساتھ مہتر لام تک جاتی ہے جو کہ ریاست کا مرکز ہے۔

لغمان کی وادی یوں تو دریائے کابل کے ساتھ ساتھ "جلال آباد" اور "سروبی" کے درمیان ایک وسیع تر علاقہ میں واقع ہے۔ مگر مضمون زیر بحث میں میرا تعلق وادی کی اس خاص سرسبز وشاداب پٹی کے ساتھ ہے جو دریائے کابل سے لیکر شمال کی طرف درہ علی نگار اور درہ علی شنگ کے سنگھم تک پہنچتی ہے۔ اس خوبصورت سرسبز وشاداب اور انتہائی زرخیز وادی کی زیادہ سے زیادہ چوڑائی تین میل اور کم سے کم ایک میل ہے کل لمبائی تقریباً بیس میل ہے درہ علی نگار اور علی شنگ کے سنگھم پر اس وادی کا مرکز "مہتر لام" واقعہ ہے۔ جو خوبصورت اور لہلہاتے کھیتوں اور پھلدار درختوں کے گھنے باغات کے درمیان گھرا ہوا ہے۔ وادی کے درمیان دو چھوٹی چھوٹی ندیاں بہتی ہیں۔ جو اس وادی کو سیراب کرتی ہیں۔ یہ وادی افغانستان کی انتہائی زرخیز اور سرسبز وادیوں میں سے ایک ہے۔ پانی گو بافراط نہیں ہے لیکن اس کی قلت بھی محسوس نہیں ہوتی۔ زرعی لحاظ سے اس وادی کی بہت اہمیت ہے۔ پھلوں سبزیوں اور غلہ کی کثرت کی وجہ سے یہاں کے لوگ کافی خوشحال ہیں۔

آب وہوا کے لحاظ سے یہ علاقہ کابل سے نسبتاً کم ٹھنڈا ہے۔ تاہم اگست اور ستمبر جیسے گرم مہینوں میں لوگ کھلے میدان میں لحاف لے کر سوتے ہیں۔ عام موسم کی طرح یہاں کی ندیوں کا پانی بھی دریائے کابل کی نسبت کم ٹھنڈا ہے۔ اس وادی میں گائے بھینسیں اور بکریاں کثرت سے پالی جاتی ہیں۔ دیہات میں دودھ دہی اور لسی استعمال کرنے کا رواج ہے۔

مہتر لام میں ایک سیکنڈری سکول بھی ہے۔ جہاں سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد طلباء یا تو اپنی مرضی کے پیشے اختیار کر لیتے ہیں۔ ورنہ اعلیٰ تعلیم کے لئے ان کو کابل یونیورسٹی میں داخلہ لینا پڑتا ہے۔ چنانچہ اس وقت متعدد لغمانی طلباء کابل یونیورسٹی میں تعلیم پا رہے ہیں۔ اس علاقہ کے لوگ کافی دولتمند اور ذہین ہیں

حکومت میں اس وقت بہت سے عہدوں اور اعلیٰ رتبوں پر فائز ہونے کے علاوہ بعض لغمانی شاہ کی کابینہ میں بھی شامل ہیں۔

لغمان میں خشک اور چٹیل میدان بھی ہیں اور سرسبز وادیاں اور برف پوش پہاڑ بھی۔ اس وادی میں متعدد قبائل رہائش پذیر ہیں۔ جن میں سے مندرجہ ذیل مشہور ہیں:۔

ابوبکر خیل۔ جبار خیل۔ ابراہیم خیل۔ عمر خیل۔ محمد خیل۔ شمشیران خیل۔ موسیٰ خیل۔ صافی خیل۔ اسحٰق خیل۔ ترہ خیل۔ سلیمان خیل۔ نیازی خیل۔ اوریا خیل محمد زئی۔ عبدالرحیم زئی۔

ان میں سب سے زیادہ مشہور جنگجو اور زبردست قبیلہ صافی خیل ہے۔ ان کے علاوہ بھی لغمان میں بعض قبائل بستے ہیں۔ لغمان میں پشتو اور فارسی بولی جاتی ہے۔ ان دونوں زبانوں کے علاوہ ان لوگوں میں ایک تیسری زبان بھی مشترکہ طور پر بولی جاتی ہے۔ جس کو دوسرے علاقوں کے پشتو یا فارسی بولنے والے لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ اس زبان کو یہ لوگ "لُغ سلطانی" یا پادشاہا زبان کا نام دیتے ہیں۔ اس سے گمان ہوتا ہے کہ موجودہ قبائل کی اکثریت قدیم زمانہ سے اس علاقہ میں آباد چلی آرہی ہے۔

میں اور میرے ساتھی ساداتی صاحب ۸ ستمبر کو بذریعہ بس لغمان کے لئے روانہ ہوئے اور تقریباً دو بجے بعد دوپہر لغمان کے مرکز مہترلام پہنچے۔ ہمیں کافی حد تک معلومات بس میں بیٹھے ہوئے بعض دوسرے مسافروں سے بھی معلوم ہوئیں۔ اڈہ پر اُتر کر ہم نے بعض لوگوں سے مہترلام کی "زیارت" کے متعلق دریافت کیا۔ ہمیں بتایا گیا کہ یہ زیارت مہترلام سے مغرب کی جانب ایک بے آب و گیاہ دشت میں واقع ہے۔ ان لوگوں نے یہ بھی بتایا کہ وہاں پیدل پہنچنا بہت مشکل ہے۔ کیونکہ راستہ پہاڑی ہے اور فاصلہ بہت زیادہ ہے۔ لیکن ہم نے اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے وہاں جانے کا عزم کیا اور سفر کا آغاز کر دیا۔ ابھی ہم تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ ہماری ملاقات ایک معمّر شخص سے ہوئی۔ ہم نے اس سے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا۔ اس نے ہمیں مشورہ دیا کہ ہمارے لئے یہ بہتر ہوگا۔ کہ ہم سیدھے زیارت جانے کے بجائے "دیہہ زیارت" میں جائیں۔ جہاں اس زیارت کے متولّی یا مجاور بستے ہیں۔ یہ گاؤں ہمارے راستے پر تقریباً ایک میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ جب ہم اس گاؤں میں پہنچے تو ایک دکاندار سے اس زیارت کے انچارج متولّی کے بارے میں دریافت کیا۔ اور ایک لڑکے کے ذریعہ اس متولّی کو اپنی آمد کی اطلاع بھجوائی متولّی کا نام شیخ احمد جان تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ متولّی ایک چرمی تھیلا لئے ہوئے ہمارے پاس پہنچ گیا۔ ہم نے اس سے اپنا تعارف کرایا۔ اور اپنی آمد کا مقصد بیان کیا۔ اور اس کو بتایا کہ ہم نے سُنا ہے کہ یہاں کسی پیغمبر کی "زیارت" موجود ہے* اور ہم اس کی زیارت کے لئے آئے ہیں۔ نیز اس سے تعلق رکھنے والی دیگر معلومات بھی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ شیخ مذکور جس کی عمر

*۔ کابل جا کر جب میں نے لغمان میں واقع شہزادہ نبی کے چبوترہ کے متعلق دریافت کیا تو میرے سامنے جو بات آئی وہ یہ تھی کہ لغمان میں ایک نبی اسلام سے قبل تشریف لائے تھے اور وہیں انہوں نے وفات پائی تھی۔ جو آج تک وہاں موجود ہے۔

اس وقت اندازاً اسی سال ہوگی ہمیں مل کر بہت خوش ہوا وہ ہمیں اپنے باغ میں لے گیا۔ جس کے ایک کونہ میں مٹی کا ایک چبوترہ بنا ہوُا تھا۔ ہم سب اس چبوترہ پر بچھائی ہوئی دریوں پر بیٹھ گئے۔ اور رسمی گفتگو کے بعد ہم نے اپنا اصل موضوع چھیڑ دیا۔ شیخ پشتو اور فارسی دونوں زبانیں بڑی روانی سے بول رہا تھا۔ اس نے اس زیارت کے متعلق اب تک جو روایات لوگوں میں مشہور چلی آرہی تھیں وہ تمام کی تمام تفصیل سے ہمارے سامنے بیان کیں۔ اس دوران بعض اور لوگ بھی وہاں پہنچ گئے جن کے متعلق معلوم ہوُا کہ وہ بھی اس زیارت کے مجاوروں میں سے ہیں۔ چنانچہ ان سب نے بھی اس کے بیان کی تصدیق کی۔ اس کے بعد شیخ نے اپنا چرمی بیگ کھولا اور اس میں سے متعدد پرانے اور بوسیدہ کاغذات جن میں سے بعض کی پشت پر کپڑا چپکایا گیا تھا نکالے جن کو پڑھنے سے معلوم ہوُا۔ کہ یہ قدیم اسلامی بادشاہوں کے فرمان تھے۔ جن کی رُو سے اس زیارت کے نام مختلف اوقات میں جاگیریں اور باغات وقف کئے گئے تھے۔

نیز سالانہ نقدی اور غلہ بھی دیا جاتا تھا۔ اور بعض فرمانوں کی رُو سے ان مجاوروں کو ملک میں عام ٹیکس سے چھٹکارا اور بری قرار دیا گیا تھا۔ ان میں سے ایک فرمان کی نقل جو کہ امیر شیر علی خان شاہ افغانستان کی طرف سے آج سے ایک سو پانچ سال قبل جاری کیا گیا تھا درج ذیل ہے :۔

" اینکہ عالیجاہان سمندر خان و معز اللہ خان و محمود خان مستاجران دیہہ زیارت بالطاف مافورہ سرفراز بودہ باشند۔ در این وقتا مجاوران زیارت حضرت مہتر لام صاحب از قدیم الایام از ایگار و بیگار وکاہ بہا بہ پشتادہ و تحمیلات و غاتکالیفات دیوانی خلاص و معاف مرفوع القلم می باشند۔ لہذا باید بحصول اطلاع برحسب الحکم اشرف اقدس اعلیٰ بقرار گذاشتہ از ایگار و بیگار و تحمیلات و غاتکالیفات دیوانی خلاص و معاف داشتہ غرض نہ داشتہ باشد کہ بدعاگوئی دولت خداداد شاغل باشد تحریر تاریخ شہر ربیع الاول سنہ ۱۲۸۲ھ "۔ (مُہر)

" حکم امیر شیر علی"

اسی طرح سنہ ۱۳۰۳ھ میں امیر عبدالرحمٰن کی طرف سے بھی اس زیارت کے نام ایک فرمان جاری کیا گیا تھا جس میں اس نے اس زیارت کو "مزار فیض آثار حضرت مہتر لام پیغمبر علیہ السلام" کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اس فرمان کی رُو سے زیارت ہذا کے اس وقت کے متولی شیخ محبوب شاہ و شیخ محمد حبان خطیب وغیرہ کے نام غلہ جاری کرنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ یہ فرمان ۱۴ ربیع الاول ۱۳۰۳ھ کو جاری ہوُا۔

ان کے علاوہ قدیم زمانہ میں بعض اور بادشاہوں مثلاً امیر محمود شاہ۔ امیر تیمور شاہ۔ شجاع الملک شاہجہان اور اورنگ زیب کی طرف سے بھی اسی قسم کے فرمان اس زیارت کے نام جاری کئے گئے تھے۔ جن میں اس زیارت کو حضرت مہتر لام علیہ السلام کی زیارت سے موسوم کیا گیا ہے۔ اور لغمان کو لمقان کا نام دیا گیا ہے۔

نقل مطابق اصل

ہماری یہ مجلس رات کے بارہ بجے تک جاری رہی
اسی اثناء میں ایک مجاور نے ہمیں پشتو میں ایک نظم سنائی
جس میں پیغمبر موصوف حضرت مہترلام علیہ السلام کے
حالاتِ زندگی منظوم کئے گئے تھے۔ یہ نظم موجودہ متولی
شیخ احمد جان کے دادا شیخ احمد خان نے کہی تھی وہ
روایات جو ہمیں ان سے زبانی معلوم ہوئیں ان کا خلاصہ
مندرجہ ذیل ہے:۔

"حضرت مہترلام علیہ السلام (یا مہتر لمک علیہ
السلام جیسا کہ بعض بادشاہوں کے فرمانوں میں ان کا نام
ایسے ہی درج ہے) شام سے آئے تھے ان کے ساتھ
ان کا ایک اور بھائی بھی تھا۔ جس کا نام "نور لام" یا نور لمک
تھا۔ یہ دونوں بھائی شہزادے تھے ان کی تین بہنیں بھی
تھیں۔ نیز ان کے ساتھ ان کے اور بھی بعض ساتھی تھے۔
سب سے پہلے وہ شام سے ہرات آئے وہاں سے قندھار
اور پھر غزنی سے ہوتے ہوئے یہاں لغمان آگئے اور یہیں
بس گئے۔ ان دنوں یہاں ایک بادشاہ کی حکومت تھی۔
کچھ عرصہ کے بعد پیغمبر موصوف پر ایمان لانے والوں کی
تعداد میں اضافہ ہو گیا۔ اور وہ تعداد میں بڑھ گئے۔
اس پر اس بادشاہ کو فکر لاحق ہوئی اور اس نے آپ کے
خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ مومنوں اور کفار کی جنگ ہوئی
مگر اس جنگ میں سوئے اتفاق سے حضرت مہترلام سینہ
میں ایک تیر لگنے سے شہید ہو گئے وہ بادشاہ بھی اس
جنگ میں مارا گیا۔ اور اسی جنگ میں ان کا بھائی نور لام
بھی شہید ہو گیا۔*

جب سلطان محمود غزنوی کا دورِ حکومت آیا تو ایک
دفعہ سلطان محمود غزنوی کو ایک خواب میں مہترلام صاحب
نظر آئے اور اس سے کہنے لگے کہ تمہارے عہدِ حکومت
میں میں بے آب وگیاہ دشت میں زمین کے نیچے دفن ہوں
اور لوگوں کی گائے بھینسیں میرے سینہ پر چرتی پھرتی
ہیں۔ اس پر سلطان بیدار ہو گیا۔ اور اس نے یہ خواب
اپنے درباریوں کو سنائی۔ انہوں نے کہا کہ اگر وہ پیغمبر
ہیں تو وہ اپنا اتا پتہ خود بتائیں گے۔ دوسری رات جب
سلطان سویا تو پھر خواب میں حضرت مذکور نظر آئے۔
اور فرمانے لگے کہ اگر تم مجھے تلاش کرنا چاہتے ہو تو اپنے
لشکر کی فلاں اونٹنی کو اپنے آگے آگے چلاؤ۔ دو مرتبہ
قیام کرنے کے بعد جہاں وہ تیسری دفعہ قیام کرے
تو وہیں میں مدفون ہوں گا۔ چنانچہ سلطان نے اٹھتے
ہی اپنے درباریوں اور لشکر کو معماروں اور مزدوروں
سمیت ہدایت کی کہ وہ ہر قسم کا عمارتی سامان ہمراہ
لے کر روانگی کے لئے تیار ہو جائیں۔ تاکہ حضرت
مذکور کی قبر تلاش کر کے اس پر مزار تعمیر کیا جائے۔ اس
اونٹنی کو لشکر کے آگے آگے روانہ کیا گیا۔ جس نے راستہ
میں دو بار قیام کرنے کے بعد تیسری بار لغمان میں واقع
موجودہ قبر کے پاس قیام کیا۔ بادشاہ کے حکم پر تمام
لشکر نے ڈیرے ڈال دیئے۔ رات سلطان محمود غزنوی
کو خواب میں وہی پیغمبر نظر آئے۔ اور انہوں نے فرمایا
کہ تمہارے خیمہ کی چوب میرے سینہ میں گڑی ہوئی ہے
صبح جب سلطان اٹھا تو اس نے معماروں کو بلایا اور
اس خواب سے آگاہ کیا۔ اور ان کو حکم دیا کہ وہ اس جگہ
پر مقبرہ تعمیر کر دیں۔ اس پر معماروں نے غزنی سے لائے
ہوئے سامان کے ساتھ اس پر مقبرہ تعمیر کر دیا۔ سلطان نے

* لوگوں کی روایات کے مطابق نور لام صاحب کی قبر اس وقت
وہ علی نگار میں واقع ہے۔ مگر قلتِ وقت کی وجہ سے
مجھے وہاں جانے کا موقعہ نہ مل سکا۔

وہاں ایک بہت بڑا باغ بھی لگوایا۔ جب مقبرہ تعمیر ہو گیا اور سلطان نے واپسی کا قصد کیا تو سلطان کے چچا جلال الدین نے واپس جانے سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ میں تمام عمر اسی زیارت کی خدمت کروں گا بعد میں جلال الدین نے وہاں سے قریب ہی ایک بستی کی ساداتی خاندان کی ایک لڑکی سے شادی کر لی جس سے دو لڑکے ہوئے جن میں سے ایک کا نام نازک اور دوسرے کا نام حمزہ تھا۔ ان دونوں سے آگے اولاد چلی۔ ایک خاندان کو حمزہ خیل اور دوسرے کو نازک خیل کہا جاتا ہے۔ موجودہ مجاور انہی دو خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

یہ لوگ دیہہ زیارت میں مقیم ہیں پہلے وقتوں میں یہ لوگ اس روضہ کے نام وقف ہونے والی جاگیر سے گذارہ کرتے تھے مگر اس وقت اس روضہ کے نام کوئی ایسی جاگیر نہیں ہے۔ روضہ میں زیارت کی غرض سے آنیوالے لوگ کچھ نہ کچھ دے جاتے ہیں۔ جس سے ان کا گزارہ چلتا ہے۔ دونوں خاندانوں کے افراد آٹھ آٹھ یا دس دس کی تعداد میں ایک ایک ہفتہ کے لئے باری باری اس روضہ کی خدمت کے لئے وہاں جاتے ہیں۔"

ان تمام واقعات کی صحت کے متعلق تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ البتہ کسی حد تک حقیقتِ امر کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ایک بات جو میں نے وہاں کے تمام مجاوروں سے مشترکہ طور پر معلوم کی وہ یہ تھی کہ یہ بزرگ ایک پیغمبر تھے اور وہ شام کی طرف سے تشریف لائے تھے۔ اور ان کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے۔ یہ سب افغانستان میں ہرات کے راستہ سے داخل ہوئے اور قندھار اور غزنی سے ہوتے ہوئے وہ لغمان پہنچے اور یہاں انہوں نے قیام کیا اور لوگوں میں وہ شہزادہ کے نام سے معروف تھے اور ان کے ساتھ ان کا ایک بھائی بھی تھا۔

اس امر پر مفصل روشنی تو آئندہ کسی شمارہ میں ڈالی جائے گی۔ لیکن اجمالی طور پر یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے۔ کہ ان تمام روایات پر اگر غور سے نظر ڈالی جائے اور قدیم تاریخی کتب اور آثار کا مطالعہ کیا جائے تو ہمیں بہت حد تک ان روایات میں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصنیف "مسیح ہندوستان میں" کی بیان شدہ مسیح علیہ السلام کے سفر کے حالات میں بہت مطابقت اور مشابہت ملتی ہے۔

دوسرے روز علی الصبح ہم دونوں ساتھی متولی شیخ احمد جان اور اس کے پوتے اسماعیل جان کے ہمراہ اس چبوترہ یا زیارت کی طرف روانہ ہوئے گاؤں سے نکل کر پگڈنڈی اونچے نیچے ٹیلوں پر سے گذرتی ہوئی مقبرے تک جاتی ہے۔ یہ زیارت اس گاؤں سے جانب غرب دو میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس زیارت تک پہنچنے کے لئے موٹروں وغیرہ کے لئے بھی ایک راستہ بنایا گیا ہے۔ جو ایک لمبا چکر کاٹ کر وہاں پر پہنچتا ہے"

راستہ میں ایک جگہ متولی نے بائیں جانب اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ یہاں سامنے ہی ایک پرانی خندق موجود ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ یہاں حضرت جہلام علیہ السلام نے شہادت پائی تھی۔ راستہ کے دائیں بائیں بے شمار پرانی اور نئی قبریں موجود تھیں۔ تقریباً دو میل چلنے کے بعد ٹیلوں کا سلسلہ ختم ہوا اور ہمارے سامنے ایک گہرا نشیب آیا جو دراصل کسی پرانے دریا یا برساتی نالے کی قدیمی گزرگاہ ہے مگر اب خشک ہو چکا ہے

اس گزرگاہ میں ہمیں وہ زیارت ایک گھنے اور سرسبز باغ میں گھری ہوئی نظر آئی۔ اسی ٹیلے پر کھڑے ہو کر جب پیچھے کی طرف نگاہ دوڑائی تو لغمان کی طویل اور سرسبز وادی نظر آرہی تھی۔

ہم لوگ نشیب میں اُتر کر اس باغ کی طرف بڑھے یہ ایک مستطیل شکل کا باغ ہے۔ جو شمالاً جنوباً پھیلا ہوا ہے۔ مشرق کی طرف چار دیواری کے عین درمیان محرابی شکل کا قدیم زمانہ کا دروازہ نظر آتا ہے جو کافی اونچا ہے۔ جیسے ہی ہم دروازے سے گزر کر باغ کے اندر داخل ہوئے تو ہمیں ایسا معلوم ہوا کہ جیسے بہشت میں آگئے ہیں۔ یہ جگہ نہایت ٹھنڈی تھی دروازہ میں سے داخل ہو کر جب ہم اندر گئے تو ہمیں اپنے سامنے ایک چھوٹا سا راستہ سیدھا روضہ کی طرف جاتا ہوا نظر آیا۔ چند گز چلنے پر بائیں طرف ایک مسقف گنبددار حوض ہے۔ درہ علی شنگ میں سے وادی کی طرف آنیوالی ندی سے ایک نالہ کاٹ کر باغ میں لایا گیا ہے۔ جس کا پانی اس حوض میں جمع کر لیا جاتا ہے۔ اور باقی پانی باغ میں درختوں کو دے دیا جاتا ہے۔

حوض سے گزر کر ہم روضہ کی طرف بڑھے۔ یہ ایک چھوٹی سی چار دیواری کے اندر گھرا ہوا ہے اور باغ کی مغربی دیوار سے ملحق ہے۔ جو سامنے سے ایک چھوٹی سی مسجد کی شکل میں نظر آتا ہے۔ مسجد میں سے گذر کر محراب کی پچھلی جانب واقع کمرہ میں ہم داخل ہوئے جہاں حضرت مہترلام علیہ السلام کی قبر ہے۔ اس قبر کو جب ہاتھ سے ناپا تو لمبائی ۲۸ بالشت اور چوڑائی ۸ بالشت تھی اور اونچائی تقریباً پانچ فٹ تھی۔ اس کمرہ میں ہمیں کوئی کتبہ یا تحریر نظر نہ آئی۔ قبر کو ایک بڑے سبز غلاف سے ڈھانپا گیا تھا۔ اس کو اٹھا کر ہم نے چاروں طرف اچھی طرح دیکھا لیکن ہمیں کوئی ایسا نشان نہ ملا۔ جو قبر کے متعلق کسی قسم کی روشنی ڈالتا۔

اس مقبرہ کے مغرب کی طرف عین مقبرے کے نیچے واقع نالے کی گزرگاہ کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا تھا کہ کسی زمانے میں یہاں سے دریا یا کوئی ندی گذرتی رہی ہوگی۔ مگر اب وہ خشک ہو چکا ہے۔

میرا اندازہ ہے کہ درّہ علی شنگ کی طرف سے آنیوالی ندی کسی زمانہ میں یہاں سے ضرور گزرتی رہی ہوگی۔ مگر اب اس کا رُخ بدل کر وادی لغمان کی طرف ہو گیا ہے۔

روضہ کے شمال مغرب کی طرف ایک اونچے ٹیلہ پر ایک سفید رنگ کا مینار نظر آتا ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے۔ کہ اسے امیر حبیب اللہ خاں نے تعمیر کرایا تھا۔ اسی قسم کے دو اور منار مغرب کی طرف واقع پہاڑ کی دوسری جانب ایک دوسرے سے فاصلہ پہ بنے ہوئے ہیں۔ جو ننگلو۔ سروبی اور کابل کی طرف سے آنیوالے قافلوں کی راہنمائی کے لئے تعمیر کئے گئے تھے۔ باغ کے شمال مغرب اور شمال کی طرف لغمان کے اونچے اونچے پہاڑوں کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ باغ کا رقبہ پچاس جریب ہے۔ روضہ کے صحن میں ایک سرو کا درخت ہے جس پر ایک لکڑی کی تختی آویزاں ہے۔ اور اس پر "المتوکل علی اللہ محمد ظاہر شاہ شاہِ افغانستان" کندہ ہے۔ باغ کے اندر بے شمار قبریں بھی موجود ہیں۔ جن میں سے بعض سینکڑوں سال پرانی ہیں۔ موجودہ شاہِ افغانستان اعلیحضرت محمد ظاہر شاہ کے دادا اور دادی کی قبریں بھی موجود ہیں

اس باغ میں شیشم اور بعض اور سایہ دار درختوں کے علاوہ لوکاٹ نارنگی۔ خوبانی۔ توت اور چکوترے کے بے شمار درخت موجود ہیں جن کے پھلوں کا ہر سال حکومت ٹھیکہ دیتی ہے اور اس کی آمد بجائے مزار پہ خرچ ہونے کے روضہ کے نام سے ولایتِ لغمان کے خزانہ میں جمع ہوتی جارہی ہے۔

اس چھوٹی سی مسجد میں دن کی پانچ نمازوں کے علاوہ جمعہ کی نماز بھی ہوتی ہے جو وہاں کے ایک خطیب برہان الدین پڑھاتے ہیں۔ جمعہ کی نماز کے لئے شہر سے بھی بعض لوگ آجاتے ہیں اس وقت روضہ کے انچارج متولی حاجی حبیب اللہ خان تھے۔

اس زیارت کو عوام میں "باباصاحب"* "بادشاہ صاحب"۔ "مہترلام" اور "مہترلمک" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ دیہہ زیارت میں بعض ایسے خاندان رہائش پذیر ہیں جو متولی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور حمزہ خیل اور نازک خیل سے ان کی چپقلش چلتی ہے ان کے متعلق تفصیلی معلومات حاصل کرنے کا موقعہ نہیں ملا۔ تاہم اس قدر ضرور معلوم ہوتا ہے کہ قدیمی خاندان متولیوں کا وہی ہے جو اپنے آپ کو حمزہ خیل اور نازک خیل کی طرف منسوب کرتا ہے ورنہ اس قدر قدیمی بادشاہوں کے فرمان موجود ہونے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔

قدیم بادشاہوں کے فرمانوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پرانے زمانہ سے اس روضہ کے نام جاگیریں وقف ہوتی چلی آئی ہیں۔ مگر پہلی بار کس نے اس روضہ کے نام جاگیر وقف کی اس کا حال معلوم نہیں ہو سکا۔ البتہ مجاور شیخ احمد خان سے معلوم ہوا کہ پہلی بار سلطان محمود غزنوی نے اس روضہ کے نام زمین وقف کی۔ نیز اس نے یہ بھی بتایا کہ اورنگ زیب کے زمانہ میں اس جاگیر کی ایک اور قوم بھی جس کا نام صافی خیل ہے دعویدار ہوگئی۔ چنانچہ یہ تنازعہ اورنگ زیب کے دربار میں لیجایا گیا اور اورنگ زیب کے دربار سے ان متولیوں کے حق میں فیصلہ ہوا۔ متولی نے مجھے شاہی فیصلہ کا فرمان بھی دکھایا۔ مگر چونکہ وہ کاغذ بہت بوسیدہ ہو چکا تھا۔ اسلئے تمام الفاظ اپنی صحت کے ساتھ پڑھے نہیں جا سکے۔ اس قدر ضرور معلوم ہوتا تھا۔ کہ یہ فرمان کسی کاشتہ زمین سے تعلق رکھتا ہے۔

جہانتک اس پیغمبر کے نام کا سوال ہے لوگوں میں اور بادشاہوں کے فرمانوں میں۔ گورنمنٹ کے ریکارڈ اور نقشوں میں اسی طرح "تاریخ افغانستان بعد از اسلام" (مصنفہ عبدالحی حبیبی صدر شعبۂ تاریخ کابل یونیورسٹی و صدر انجمن تاریخ افغانستان) میں ان کو مہترلام پیغمبر یا مہترلمک کے نام سے ہی موسوم کیا گیا ہے۔

میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ مہترلام ان کا اصل نام نہیں ہے، کیونکہ قدیم زمانہ سے اس علاقہ کا نام "لامپو" "لامباکا" یا "لمپکا" چلا آرہا تھا اور غالباً اسلامی بادشاہوں کے عہد میں یہ لفظ بگڑ کر "لمقان" اور پھر لغمان بن گیا۔ اور مہتر فارسی میں بزرگ کو یا بڑے کو کہتے ہیں۔ اور یہ لفظ تعظیم کے طور پر انبیاء کے نام کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لئے میرا خیال ہے کہ اس بزرگ کے اصلی نام کے معلوم نہ ہونے کی وجہ سے مہترلامپاکا یا مہتر لمقان نام مشہور ہو گیا ہے جو بعد میں مہترلمک رہ گیا اور آجکل مہترلام کہلاتا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

---

* یہ بات نوٹ کرنے کے لائق ہے کہ بامیان میں جو غور کے علاقہ سے ملحق ہے ایک وسیع سلسلہ کوہ ہے جس کو کوہ باباکے نام سے پکارا جاتا ہے۔

دوست محمد شاہد

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک نہایت لطیف حدیث

سے

خدام الاحمدیہ کے نظام عمل کی تعیین

نوجوانانِ احمدیت کے مقدس رہنما سیدنا حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے مجلس خدام الاحمدیہ کی بنیاد آج سے تیس برس پیشتر ۳۱ر جنوری ۱۹۳۸ء کو قادیان میں رکھی تھی۔ اس عالمگیر تحریک کے قیام کا بنیادی مقصد کیا تھا اور اس کی اہمیت وضرورت کیا تھی؟ اس کی نشاندہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم (فداہ روحی وجنانی) کی ایک نہایت لطیف حدیث سے بھی ہو سکتی ہے۔

ایک حدیث نبویؐ

یہ حدیث حضرت سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مجموعہ خطبات "فتح الربانی والفیض الرحمانی" (مجلس ۶۲) میں بایں الفاظ درج ہے:۔

"مَنْ بَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَۃً فَلَمْ یَغْلِبْ خَیْرُہٗ شَرَّہٗ فَلْیَتَجَھَّزْ اِلَی النَّارِ"

جس شخص کی عمر چالیس سال کو پہنچ جائے اور اس کا خیر اُس کے شرّ پہ غالب نہ آئے تو اس کو چاہیئے کہ دوزخ کے لئے تیار ہو جائے۔

سید الکائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ مبارک کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ مجلس خدام الاحمدیہ کے اغراض ومقاصد میں سرفہرست یہ امر ہے کہ نوجوانانِ احمدیت چالیس سال عمر تک پہنچنے سے قبل اپنی خادمانہ مساعی سے اپنے نفوس میں ایسا زبردست روحانی تغیر اور قلبی انقلاب برپا کرلیں کہ ان کے خیر کا پہلو شرّ کے مقابل نمایاں طور پہ غالب آجائے تا جب وہ انصار اللہ کی تنظیم سے منسلک ہوں تو وہ **خدمت** کی منزل سے ترقی کرکے **نصرت** کے مقام تک پہنچ جائیں اور ان کا وجود پوری انسانیت کے لئے مجسم خیر وبرکت بن جائے۔

خیر کے متعلق دس احادیث

اب آیئے خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک الفاظ سے یہ معلوم کریں کہ حضورؐ کے نزدیک اخیار کون ہیں؟ یا خیر کیا ہے؟ اس باب میں احادیث بھری پڑی ہیں۔ مگر میں اس وقت بطور نمونہ صرف احادیث کا تذکرہ کرنے پہ اکتفا کروں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

۱۔ خِیَارُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہٗ۔ (ابن ماجہ)

یعنی تم میں بہتر وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور سکھایا۔

۲۔ خِیَارُکُمْ اَحْسَنُکُمْ اَخْلَاقًا

(مسند احمد بن حنبل)

تم میں سے بہتر وہ ہے جس کے اخلاق عمدہ ہوں۔

۳۔ خِیَارُ عِبَادِ اللّٰہِ الْمُوْفُوْنَ الْمُطِیْبُوْنَ (ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی ابن ماجہ)

اللہ کے نیک بندے وہ ہیں جو اپنا عہد نبھاتے اور خوش رہتے ہیں۔

۴۔ خِیَارُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ

(طبرانی)

تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کے لئے بہتر ہو۔

۵۔ خَیْرُ الْاَعْمَالِ الصَّلٰوۃُ لِاَوَّلِ وَقْتِھَا۔ (حاکم)

بہترین عمل اول وقت میں نماز کا پڑھنا ہے۔

۶۔ خَیْرُ الذِّکْرِ الْخَفِیُّ۔

(مسند احمد بن حنبل)

بہتر ذکر خفی ہے۔

۷۔ خَیْرُ الْمُسْلِمِیْنَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ یَدِہٖ وَلِسَانِہٖ

(صحیح مسلم)

مسلمانوں میں سے بہتر وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

۸۔ خَیْرُ النَّاسِ اَنْفَعُھُمْ لِلنَّاسِ

(قضاعی)

لوگوں میں سے بہتر وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچائے۔

۹۔ خَیْرُ الدُّعَاءِ الْاِسْتِغْفَارُ (حاکم)

استغفار بہترین دعا ہے۔

۱۰۔ خَیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقَانِعُ۔

(فردوس دیلمی)

مومنوں میں بہتر وہ ہے جو قناعت کرنے والا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کا ایک اہم فرمان

یہ دس اصولی نیکیاں اگر کسی احمدی جوان میں پیدا ہو جائیں تو وہ بلاشبہ آسمان پر بھی خدام احمدیت کی فہرست میں شامل ہے مگر یہ مرحلہ ایک نہایت کٹھن اور مشکل ہے۔ جو خیر پر ہمیشہ گامزن رہنے۔ شر کے خلاف طویل جہاد کرنے اور سب سے بڑھ کر زندگی کے آخری سانس تک مصروفِ دعا رہنے کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔ چنانچہ امام الزمان سیدنا المسیح الموعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

"اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ زمانہ جوش شباب اور جوانی کا زمانہ ہے ایک ایسا زمانہ ہے کہ نفس امارہ نے اس کو ردّی کیا ہوا ہے لیکن اگر کوئی کار آمد ایام ہیں تو یہی ہیں حضرت یوسف علیہ السلام کی زبانی قرآن شریف میں درج ہے۔ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ۔ یعنی مَیں اپنے نفس کو بری نہیں ٹھہراتا۔ کیونکہ نفس امارہ بدی کی طرف تحریک کرتا ہے اس کی اس قسم کی تحریکوں سے وہی پاک بچتا ہے جس پر میرا رب رحم کرے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کی بدیوں

اور جذبات سے بچنے کے واسطے نری کوشش
ہی شرط نہیں۔ بلکہ دعاؤں کی بہت بڑی ضرورت
ہے۔ نرا زہد ظاہری ہی (جو انسان اپنی سعی
اور کوشش سے کرتا ہے) کارآمد نہیں ہوتا۔
جب تک خدا تعالیٰ کا فضل اور رحم ساتھ
نہ ہو۔ اور اصل تو یہ ہے کہ اصل زہد اور تقویٰ
تو ہے ہی وہی جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا
ہے .... تاہم اس حقیقی پاکیزگی اور حقیقی
تقویٰ اور طہارت کے حصول کے لئے
ضرورت اس امر کی ہے کہ اسی زمانہ **شباب
و جوانی** میں انسان کوشش کرے جبکہ
قویٰ میں قوت اور طاقت اور دل میں ایک
امنگ اور جوش ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں
کوشش کرنا عقلمند کا کام ہے اور عقل
اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دی ہے اس مقصد
کے حاصل کرنے کے واسطے .... **اوّل**
ضروری ہے کہ انسان دیدہ دانستہ اپنے
آپ کو گناہ کے گڑھے میں نہ ڈالے وہ
ضرور ہلاک ہوگا۔ جو شخص دیدہ دانستہ
بدراہ اختیار کرتا ہے یا کنوئیں میں گرتا ہے
اور زہر کھاتا ہے۔ وہ یقیناً ہلاک ہوگا۔
ایسا شخص نہ دنیا کے نزدیک اور نہ اللہ
تعالیٰ کے نزدیک قابل رحم ٹھہر سکتا ہے
اس لئے یہ ضروری اور بہت ضروری ہے
خصوصاً ہماری جماعت کے لئے
(جس کو اللہ تعالیٰ نے نمونہ کے طور پر
انتخاب کرنا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ
آنیوالی نسلوں کیلئے ایک نمونہ ٹھہرے)
کہ جہانتک ممکن ہے بدصحبتوں اور بدعادتوں
سے پرہیز کریں۔ اور اپنے آپ کو نیکی کی طرف
لگائیں اس مقصد کے حاصل کرنے کیواسطے جہانتک
تدبیر کا حق ہے تدبیر کرنی چاہیئے اور کوئی دقیقہ
فروگذاشت نہیں کرنا چاہیئے۔ یاد رکھو تدبیر بھی
ایک مخفی عبادت ہے اس کو حقیر مت سمجھو اسی سے
وہ راہ کھل جاتی ہے جو بدیوں سے نجات پانے کی
راہ ہے جو لوگ بدیوں سے بچنے کی تجویز اور تدبیر
نہیں کرتے ہیں وہ گویا بدیوں پر راضی ہو جاتے ہیں
اور اس طرح پر خدا تعالیٰ ان سے الگ ہو جاتا ہے
.... پس حقیقی تقویٰ اور طہارت حاصل کرنیکے واسطے
اوّل یہ ضروری شرط ہے کہ جہانتک بس چلے اور ممکن
ہو تدبیر کرو۔ اور بدی سے بچنے کی کوشش کرو۔
بدعادتوں اور بدصحبتوں کو ترک کر دو۔ ان مقامات
کو چھوڑ دو جو اس قسم کی تحریکوں کا موجب
ہو سکیں۔ جس قدر دنیا میں تدبیر کی راہ کھلی ہے
اس قدر کوشش کرو اور اس سے نہ تھکو نہ ہٹو
دوسرا اس حقیقی پاکیزگی کے حاصل کرنے
اور خاتمہ بالخیر کے لئے جو خدا تعالیٰ نے
سکھایا ہے۔ وہ دعا ہے اس لئے
جس قدر ہو سکے دعا کرو۔ یہ طریق
بھی اعلیٰ درجہ کا مجرب اور مفید ہے۔ کیونکہ
خدا تعالیٰ نے خود وعدہ فرمایا ہے ادعونی استجب
لکم تم مجھ سے دعا کرو میں تمہارے لئے قبول کرونگا
دعا ہی ایک ایسی چیز ہے جس کے ساتھ مسلمانوں
کو فخر کرنا چاہیئے" (ملفوظات حضرت مسیح موعود جلد ہفتم
صفحہ ۲۵۵ تا ۲۵۷) واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

محمد شفیق قیصر

سائنس اور فلسفیانہ جستجو کے متعلق قرآن مجید کی ترغیب

قرآن کریم خدا تعالےٰ کا قول ہے اور یہ عالم ظاہری اسی کا فعل۔ انسانی کانشس اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ صادق کے قول اور فعل میں تضاد نہیں ہوتا۔ جب قرآن خدا کا قول ہے اور سائنس خدا کا فعل ہوا تو پھر ان میں تضاد ممکن ہی نہیں بلکہ ہر دو کا آپس میں گہرا تعلق اور مضبوط رشتہ ہے اللہ تعالےٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے:۔

انہ لکتٰب عزیز۔ لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ و لا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید (حٰم سجدہ ع)

ان آیات میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ کتاب یعنی قرآن کریم ایسی کتاب ہے جو سب کتب پر غالب رہے گی اور اس بے نظیر کتاب میں جو نظریات و قوانین اور تھیوریاں پیش کی گئی ہیں۔ ان کا ابطال تمام علوم صحیحہ جو خواہ حال کے ہوں یا ماضی سے متعلق ہوں یا مستقبل میں ہونے والے ہوں ثابت نہیں کر سکتے۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں:۔

جاننا چاہیئے کہ کھلا کھلا اعجاز قرآن شریف کا ..... وہ غیر محدود معارف و حقائق اور علوم حکمیہ قرآنیہ ہیں جو ہر زمانہ میں اس زمانہ کی حاجت کے موافق کھلتے جاتے ہیں اور ہر ایک زمانہ کے خیالات کا مقابلہ کرنے کے لئے مسلح سپاہیوں کی طرح کھڑے ہیں۔ اگر قرآن شریف اپنے حقائق و دقائق کے لحاظ سے ایک محدود چیز ہوتی تو ہرگز وہ معجزہ تامہ نہ ٹھہر سکتا تھا ......

قرآن شریف میں غیر محدود معارف و حقائق کا اعجاز ایک ایسا کامل اعجاز ہے جس نے ہر ایک زمانہ میں تلوار سے زیادہ کام کیا ہے۔ اور ہر ایک زمانہ میں اپنی نئی حالت کے ساتھ جو کچھ شبہات پیش کرتا ہے یا جس قسم کے اعلیٰ معارف کا دعویٰ کرتا ہے اس کی پوری مدافعت اور پورا الزام اور پورا پورا مقابلہ قرآن شریف میں موجود ہے۔ کوئی شخص کوئی ایسی صداقت نہیں نکال سکتا۔ جو قرآن شریف میں پہلے سے موجود نہ ہو اور جس طرح صحیفہ فطرت کے عجائب و غرائب خواص کسی پہلے زمانہ تک ختم نہیں ہو چکتے۔ بلکہ جدید در جدید پیدا

ہوتے ہیں۔ یہی حال ان سمعِ فطرت کا
ہے تا خدا تعالیٰ کے قول اور فعل میں
مطابقت ہو" (ازالہ اوہام ۲۵۵ تا ۲۵۸)

سائنس کی ترقیات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس امر
کا ذکر ضروری ہے کہ موجودہ سائنس کی بنیاد اور اساس
تجربہ اور مشاہدہ پر ہے اور یہ انکشاف دراصل ایک
قرآنی اصل ہے عوام الناس کا یہ خیال ہے کہ تجربہ اور
مشاہدہ یورپ کے محققین کی ایجاد ہے لیکن یہ ایک
حقیقت ہے کہ قرآن کریم نے آج سے چودہ سو برس پیشتر
اس امر کو واضح فرما دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لا تقف ما لیس لک بہ علم
ان السمع والبصر والفواد کل
اولٰئک کان عنہ مسئولا۔

(بنی اسرائیل رکوع ۴)

کہ اے مخاطب جس بات کا تجھے علم نہ ہو اس کی اتباع
نہ کیا کر۔ کیونکہ کان اور آنکھ اور دل ان سب کے متعلق
تجھ سے پوچھا جائے گا۔

اس آیت میں کامل علم کے لئے سمع۔ بصر اور قلب
سلیم کی شہادت کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ ان کے تجسس
کے نتیجہ میں جو چیز حاصل ہوگی وہ کامل علم کہلا سکتی ہے
ورنہ وہ محض ظن اور قیاس ہے۔

اسلام نے انسانی زندگی کی اقدار کا جو نقشہ پیش
کیا ہے اس میں علم و حکمت کو زندگی کی اعلیٰ قدر (خیر کثیر)
قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

"یؤتی الحکمۃ من یشاء۔ ومن یؤت
الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا
وما یذکر الا اولوا الالباب"۔ (البقرہ ۲: ۳۸)

وہ جسے چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جب حکمت
عطا کی گئی تو سمجھو کہ اسے ایک بہت ہی نفع رساں چیز
مل گئی اور یاد رہے کہ عقلمندوں کے سوا نصیحت بھی
کوئی حاصل نہیں کیا کرتا۔

خدا تعالیٰ کی ہستی کو واحد ماننا اسلامی تعلیم کا سنگِ
بنیاد ہے جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی
معبود نہیں یا دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ
کے سوا انسان کا کوئی آقا نہیں سب اس کے محکوم ہیں اور
انسان کائنات کی سب سے اشرف مخلوق ہے۔ جیسا کہ قرآن
فرماتا ہے:۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ۔ (بنی اسرائیل - ۷)

دنیا میں اشرف المخلوقات ہونے کا یہ احساس اس کی اخلاقی
بلندی اور خودداری کا ضامن ہے۔ دنیا کی ہر چیز اس
کے واسطے پیدا کی گئی ہے۔

ھو الذی خلق لکم ما فی الارض
جمیعا۔ (بقرہ - ۳)

پھر فرماتا ہے کہ اس کی تخلیق کا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ خالق
کائنات کی عبادت بجا لائے۔

وما خلقت الجن والانس الا
لیعبدون۔

اس تعلیم کا نتیجہ یہ تھا کہ مسلمان کائنات کے سامنے
بھکاری کی حیثیت سے نہیں بلکہ شکاری کی حیثیت
سے جائیں۔ اور کائنات کی ظاہر اور پوشیدہ طاقتوں
کو قابو میں کرکے اپنے مقاصد کے مطابق استعمال کریں۔
یہی تسخیر کائنات ہے اور اسی کو آج جدید سائنس کے نام
سے موسوم کیا جاتا ہے جس کے لئے قرآن بار بار ہمت
افزائی کرتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے:۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمْ مَا فِی
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ
عَلَیْکُمْ نِعَمَہٗ ظَاہِرَۃً وَّبَاطِنَۃً۔ (لقمان)

کیا تم لوگوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے تمہاری خدمت میں لگایا ہوا ہے اور تم پر اپنی نعمتیں خواہ ظاہری ہوں یا باطنی ہوں پانی کی طرح بہا دی ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ دوسری جگہ فرماتا ہے:۔

اللّٰہُ الَّذِی سَخَّرَ لَکُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ
الْفُلْکُ فِیْہِ بِاَمْرِہٖ وَلِتَبْتَغُوْا
مِنْ فَضْلِہٖ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ (جاثیہ ع۲)

اللہ وہی ہے جس نے سمندر کو تمہاری خدمت پر لگایا ہوا ہے تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تاکہ تم ان کے ذریعہ سے اس کے فضل کو تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو

وَسَخَّرَ لَکُمْ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا
فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْہُ۔ اِنَّ فِیْ
ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ۔ (جاثیہ ع۲)

اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے سب کا سب اس نے تمہاری خدمت میں لگایا ہوا ہے اس میں فکر کرنے والی قوم کے لئے بڑے نشان ہیں۔

کائنات کی زندہ اور بے جان قوتوں کی تسخیر اس وقت تک ممکن نہیں جب تک زمین و آسمان اور کائنات کی پوشیدہ قوتوں سے واقفیت نہ ہو۔ اس واقفیت کو علم طبعی یا نیچرل سائنس کہتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں نے دینی علوم کے ساتھ طبعیاتی علوم کے حصول کو بھی ضروری سمجھا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے

اطلبوا العلم ولو کان بالصین۔

ظاہر ہے کہ یہ چین اور جاپان میں حاصل ہونے والا علم اللہ اور اس کے رسولؐ کی معرفت کا علم تو نہیں ہو سکتا یہ صرف دنیوی علم ہی ہو سکتا ہے۔

اس بارہ میں ممکن غلط فہمیوں کے ازالہ کے لئے حضور نے پہلے ہی سے فرما دیا تھا۔ کہ علم و حکمت میں کسی طرح کا امتیاز نہیں ہو سکتا وہ مومنوں کا ورثہ اور اس کی متاع گم گشتہ ہے۔

کلمۃ الحکمۃ ضالّۃ المومن
اینما وجدھا فھو احق بھا۔ (ترمذی)

یعنی حکمت اور دانائی کی بات یا فلسفہ مومن کی گمشدہ متاع ہے جہاں کہیں ملے مومن اس کے لینے کا زیادہ حقدار ہے

قرآن کریم مظاہر کائنات کے مشاہدہ پر بڑا زور دیتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے:۔

قُلِ انْظُرُوْا مَا فِی السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ۔

جو لوگ اس فریضہ سے پہلوتہی کرتے ہیں انہیں ان الفاظ میں مخاطب کیا گیا ہے:۔

اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ

پھر فرمایا:۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّہَارِ لَاٰیٰتٍ
لِّاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ
اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِہِمْ
وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ہٰذَا بَاطِلًا۔
سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ (آل عمران ع۲۰)

یہاں فرمایا کہ تخلیق ارض وسماوات کا مشاہدہ اولی الالباب کا شعار ہے جنہوں نے خدا کے ذکر کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا ہے۔

قرآن کریم نے ان تمام علوم کی ہمت افزائی فرمائی ہے جو موجودہ اور آئندہ زمانہ میں طبیعیاتی علوم کے تحت آتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم نے مظاہر کائنات کے غور و فکر کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا ہے کہ اس میں خدا تعالیٰ کی معرفت کی نشانیوں کے علاوہ اہل تدبر کے لئے اور بھی بہت سے سامان ہیں۔ کیونکہ کائنات اور جو کچھ بھی اس میں ہے وہ ان کی میراث ہے اس لئے انہیں تسخیر کائنات کا طریقہ جاننا چاہیئے۔

جدید سائنس کو اس امر پر بہت ناز ہے کہ سائنسدان زمین سے نکل کر آسمان کی حدود تک پہنچ چکے ہیں۔ اور اب وہ چاند ستاروں پر کمندیں ڈال رہے ہیں لیکن قرآن کریم نے آج سے چودہ سو سال پہلے بتا دیا تھا کہ آسمانی اجرام میں بھی آبادی ہے۔ اور وہ لوگ بھی خدا تعالیٰ کی ہدایتوں کے پابند ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یسبح لہٗ ما فی السموٰت و
الارض وھو العزیز الحکیم۔ (الحشر - ۲۵)

یعنی آسمان کے رہنے والے بھی اس کی تسبیح کرتے ہیں اور زمین کے لوگ بھی۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ اس آیت کے بارہ میں فرماتے ہیں:-

"اس آیت میں اشارہ ہے کہ آسمانی اجرام میں آبادی ہے اور وہ لوگ بھی خدا کی ہدایتوں کے پابند ہیں۔ (اسلامی اصول کی فلاسفی صفحہ ۹۲)

اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ بھی یہاں فرمایا ہے:

الم تر ان اللہ یسبح لہ من
فی السموٰت والارض ......
وللہ ملک السموٰت والارض
والی اللہ المصیر۔ (النور ع ۶)

(ترجمہ) کیا تو دیکھتا نہیں کہ اللہ وہ ہے کہ جو آسمانوں اور زمین میں رہتے ہیں۔ سب اسی کی تسبیح کرتے ہیں ..... اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کی ہے۔ اور اللہ ہی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔

پھر فرماتا ہے:-

ومن ایٰتہ خلق السموٰت و
الارض وما بث فیہما من دابۃ
وھو علیٰ جمعہم اذا یشاء
قدیر۔ (الشوریٰ - رکوع ۳)

اور اس کی نشانیوں میں سے آسمان و زمین کا پیدا کرنا ہے اور ان دونوں کے اندر اس نے جو جاندار پھیلا رکھے ہیں وہ ان کو جمع کرنے پر جب چاہے قادر ہے۔

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ زمینی اور آسمانی سیاروں کی مخلوق کو خدا تعالیٰ جمع کرنے پر قادر ہے اور ایک زمانہ ایسا آنیوالا ہے کہ علوم سائنس کی ترقی کے نتیجہ میں وہ آپس میں مل جائیں گے۔

یہاں ان اصولی انکشافات کا ذکر بھی ضروری ہے جو قرآن کریم نے آج سے چودہ سو سال پہلے دنیا کو بتائے اور جو اس سے قبل بیان نہ ہوئے تھے اور جن کی تصدیق زمانہ حال کی تحقیقات سے بھی ہو چکی ہے۔

۱۔ قرآن کریم نے سب سے پہلے دنیا پر یہ عجیب حقیقت منکشف کی کہ دنیا میں ہر چیز کا کوئی نہ کوئی فائدہ ہے

یعنی دنیا میں جو چیزیں بظاہر موذی اور بے فائدہ نظر آتی ہیں - ان کے اندر بھی اہم فوائد ہیں - اور ان کی پیدائش ہرگز غیر مفید نہیں - اور اصل غرض جس کے لئے انہیں پیدا کیا گیا ہے یہ ہے کہ وہ انسان کو فائدہ پہنچائیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے -

الحمد للہ الذی خلق السمٰوٰت
والارض وجعل الظلمٰت والنور
ثم الذین کفروا بربھم یعدلون -
(انعام - ع ۱)

یعنی سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا - اندھیروں اور نور کو بنایا" گویا خدا ظلمات کا بھی خالق ہے (ظلمات سے مراد مصائب، تکالیف، آفات اور ان کے موجبات ہیں) - اور نور سے مراد آرام و آسائش سُکھ اور روشنی وغیرہ ہیں - ان سب پر غور کرنے سے خدا تعالیٰ کی حمد ہی ثابت ہوتی ہے - پھر فرماتا ہے

ھو الذی خلق الموت والحیٰوۃ
لیبلوکم ایکم احسن عملاً - (الملک)

یعنی موت و حیات سب سے حمد ہی نکلتی ہے - کیا عجیب نظریہ ہے جو اسلام نے پیش کیا ہے - کہ موذی اشیاء کے متعلق بھی اگر غور کیا جائے تو ان میں بھی آپ کو فوائد ہی نظر آئیں گے - گویا قرآن کریم نے موذی اشیاء کے فوائد اور حکمتوں پر غور کرنے کی تعلیم دی ہے اور بتایا ہے. کہ ان کو موذی اور بے فائدہ سمجھ کر تحقیق کرنے سے بے پرواہی نہ کرنا بلکہ تجارب کرتے جانا آخر اسی نتیجہ پر پہنچو گے - کہ یہ بے فائدہ اور باطل نہیں ہے - تمام موذی اشیاء وغیرہ افادی پہلو بھی اپنے اندر رکھتے ہیں - صرف ان کا غلط استعمال نقصان دہ ہے - مثلاً چاقو قلم بناتا ہے لیکن اگر کوئی شخص قلم کاٹنے کی بجائے اس سے اپنی ناک کاٹ لے تو اس کا اپنا قصور ہے - اس سے لوہے میں کاٹنے کی خاصیت رکھنے والے کی حمد پر کوئی حرف نہیں آسکتا - تمام اشیاء جو بظاہر موذی اور بے فائدہ ہیں - ان کی پیدائش کی غرض بھی نیک ہے - اور ان کا صحیح استعمال نفع رساں ہے - اگر ہمیں ان سے کبھی ضرر پہنچا ہے تو ان کا غلط استعمال ہے -

قرآن کریم نے ہی سب سے پہلے اس حقیقت کا انکشاف فرمایا کہ دنیا میں ہر چیز کا جوڑا ہے اور ہر شے میں نر و مادہ یا مثبت اور منفی طاقتیں پائی جاتی ہیں - چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے -

ومن کل شیء خلقنا زوجین
لعلکم تذکرون - (الذاریات ع ۳)

پھر فرمایا -

ومن کل الثمرٰت جعل فیھا
زوجین اثنین - (رعد ع ۱)

یعنی ہم نے ہر چیز کو جوڑا جوڑا بنایا ہے اور ہر ایک پھل اور میوے کو بھی جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے یعنی نر و مادہ مل کر مکمل نتیجہ پیدا کرتے ہیں - اور ان کی طاقتوں کا نشو و نما اور ان کا ظہور ہوتا ہے - ہر چیز بغیر جوڑے کے ناقص ہے - کیونکہ وہ اپنی جملہ قوتوں کے اظہار کے لئے جوڑے کی محتاج ہے -

چند سال قبل یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ایٹم اپنی ذات میں واحد ہے - اور اس میں جوڑا ہونے کا تصور متحقق نہیں مگر جولائی سنہ ۱۹۶۲ء میں برطانیہ کے ایک ڈاکٹر نے سالہا سال کے تجربہ کے بعد یہ اعلان کیا ہے کہ ایٹم بھی ۲۵-۲۵ حصوں میں منقسم ہو سکتا ہے جن میں گے

کئی کئی جوڑے بن جاتے ہیں۔

اسی طرح علم کیمیا کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد موجود ہے۔

مثل الذین ینفقون اموالہم
فی سبیل اللہ کمثل حبۃ انبتت
سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ
حبۃ واللہ یضاعف لمن یشآء
واللہ واسع علیم۔ (البقرہ ع ۳۶)

اس آیت میں ان کیمیاوی تغیرات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو دانہ پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ایک سائنس دان اس چیز کو بخوبی سمجھتا ہے کہ اناج اُگنے کے محرکات کیمیاوی اجزاء ہی ہیں۔ اور مختلف غلوں کے لئے مختلف کیمیاوی اجزاء مناسب ہوتے ہیں۔ پھر بعض زمینیں خاص کیمیاوی اجزاء کا ذخیرہ ہوتی ہیں۔

۱۹۳۸ء میں جماعت احمدیہ کے دوسرے خلیفہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ سے ملاقات کے لئے پنجاب یونیورسٹی کے ایک پروفیسر مسٹر لوری آئے۔ اور کہنے لگے کہ میں گورنمنٹ کی طرف سے علم زراعت کے شعبہ کا انچارج مقرر کیا گیا ہوں۔ میں ہندوستان کی مختلف زمینوں پر تجارب کر کے ان کیمیاوی اجزاء کا مشاہدہ کر رہا ہوں اور میں اس سے قبل امریکہ میں بھی کام کر چکا ہوں اور اس وقت ہندوستان میں مجھ سے زیادہ ماہر اس علم میں کوئی نہیں۔

کہنے لگے کہ میری تحقیق کا نچوڑ یہ ہے کہ ہندوستان میں ۲½ سو من فی ایکڑ گندم پیدا ہو سکتی ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے فرمایا۔ کہ یہ علمی ترقی اس شعبہ زراعت میں قابل داد ہے لیکن قرآن مجید سے تو معلوم ہوتا ہے کہ فی ایکڑ ۷۰۰ من گندم پیدا ہو سکتی ہے۔ اس پر وہ بہت حیران ہُوا۔ اور پروفیسر موصوف نے حضور سے درخواست کی کہ مجھے یہ تھیوری لکھوا دی جائے۔

جہاں تک فلسفیانہ امور کا تعلق ہے قرآن ہر چیز کی حکمت اور فلاسفی کو بیان فرماتا ہے۔ بلکہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے الفاظ ہیں:۔

"قرآن کریم کا سچا فلسفہ نہ صرف سمجھ میں ہی آتا ہے بلکہ روح کو اس سے معارفِ حقّہ کی ایک کامل روشنی ملتی ہے"۔
(نور القرآن حصہ دوم ص۲۴)

پھر فرماتے ہیں:۔

"یہ جدید فلسفہ اس سے بھی ترقی کر جائے مگر پھر بھی میں سچ کہتا ہوں قرآن شریف اس پر غالب ہے۔ جن لوگوں نے محنتیں نہیں کیں۔ قرآن مجید کو تدبّر سے نہیں پڑھا وہ کیا جانتے ہیں"۔ (البلاغ المبین ص۶)

پھر فرماتے ہیں:۔

سورۃ الفاتحہ میں جو خدا تعالیٰ کی یہ چار صفات بیان ہوئی ہیں کہ رب العالمین۔ الرحمان۔ الرحیم۔ مالک یوم الدین۔ اگرچہ عام طور پر یہ صفات اس عالم پر تجلّی کرتی ہیں لیکن ان کے اندر حقیقت میں پیشگوئیاں ہیں۔ جن پر کہ لوگ بہت کم توجہ کرتے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان چاروں صفتوں کا نمونہ دکھایا۔ کیونکہ کوئی حقیقت بغیر نمونہ کے سمجھ میں نہیں آسکتی۔ رب العالمین

کی صفت نے کس طرح پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم میں نمونہ دکھایا۔ آپ نے نہیں ضعف میں پرورش پائی۔ کوئی مدرسہ یا مکتب نہ تھا جہاں آپ اپنے روحانی قویٰ اور دینی قویٰ کو نشوونما دے سکتے۔ کبھی کسی تعلیم یافتہ قوم سے ملنے کا موقع ہی نہ ملا۔ نہ کسی تعلیم کا ہی موقع پایا۔ اور نہ فلسفہ کے باریک اور دقیق علوم کے حاصل کرنے کی فرصت ملی پھر دیکھو کہ باوجود ایسے مواقع کے نہ ملنے کے قرآن شریف ایک ایسی نعمت آپ کو دی گئی جس کے علوم عالیہ اور حقّہ کے سامنے کسی اور علم کی ہستی ہی کچھ نہیں۔ جو انسان ذرا سی سمجھ اور فکر کے ساتھ قرآن کریم کو پڑھے گا اس کو معلوم ہو جاوے گا کہ دنیا کے تمام فلسفے اور علوم اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ اور سب حکیم اور فلاسفر اس سے بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔" (الحکم ۱۷ اپریل سنہ ۱۹۰۵ء)

سائنس کا تعلق تمام مظاہر سے ہے جس کو قرآن کریم کی زبان میں "عالم شہادت" کہا جا سکتا ہے اور فلسفہ عالم شہادت کی انتہائی حقیقت یا ماہیت کو عقلی اور ذہنی بحث و تمحیص اور دلائل کے ساتھ معلوم کرنے کا نام ہے۔ جو غیب کا دائرہ ہے اور جسے قرآن کی زبان میں عالم غیب کہہ سکتے ہیں۔

فلسفی عالم غیب کو تلاش کرتا ہے اور حقائق کے انتہائی علوم پر مطلع ہونا چاہتا ہے اس حقیقت الحقائق کی ماہیت سے واقف ہونا چاہتا ہے جو انتہائی اور آخری حقیقت ہے جو اشیاء کا باطن ہے جو باوجود اشیاء میں شدتِ ظہور کے غیب الغیب ہے جس کا علم انسان کے حواس و قیاس اور ادراک و فہم و عقل کے لئے مستور ہے۔ اس غیب کے علم کی طلب انسانی فطرت میں داخل ہے اور اس کی یہ جستجو اور طلب ہی اسے حیوان سے ممتاز کرتی ہے۔

لیکن انسانی فطرت میں غیب کے علم کی طلب و خواہش کی تشفی بھی ضروری تھی۔ سو اس بارہ میں قرآن کریم یہ تعلیم دیتا ہے۔

عالم الغیب فلا یظھر علیٰ
غیبہ احدًا الّا من ارتضیٰ
من رسولٍ۔ (الجن آیت ۲۶)

یہاں اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے کہ اگرچہ انسان کو غیب کا علم نہیں۔ اس کے حواس اور عقل اور تمام ذرائع علم اس کے حصول کے براہ راست قابل نہیں لیکن اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو کسی ذریعہ سے اپنے غیب کا علم انسان کو دے سکتا ہے۔ اور اسی ذریعہ کا نام قرآن کریم کی اصطلاح میں رسول ہوتا ہے۔

پس جب انسان غیب کے علم کو بذاتِ خود حاصل نہیں کر سکتا۔ اور یہ علم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی رسولوں کے ذریعہ عطا فرماتا ہے۔ تو پھر حقائق عالم یا جن کو فلسفہ کی اصطلاح میں انتہائی حقیقت کا علم یا انتہائی علوم حقائق" کہا جاتا ہے۔ ان پر مطلع ہونے کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ انسان اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاکر اس حقیقت کی نشان دہی قرآن ان الفاظ میں فرماتا ہے۔

وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب
ولٰکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء

فآمنوا باللہ و رسلہ۔

(آل عمران رکوع ۱۸۔ آیت ۱۷۹)

ترجمہ:۔ اور اللہ تمہیں غیب پر ہرگز آگاہ نہیں کرسکتا تھا۔ ہاں اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے سو تم اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔

غرض اس طرح انسان کے لئے انتہائی حقائق یا غیوب کو جس کے بغیر قرآن کریم کی رو سے انسان روشنی سے قطعاً محروم رہتا ہے اسی لئے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے

ومن لم یجعل اللہ لہ نوراً فما لہ من نور۔ (النور۔ رکوع ۵)

اور جس کے لئے اللہ نور نہ بنائے اس کو کہیں سے نور نہیں ملتا۔

خلاصہ کلام یہ کہ جب عقل حقائق اشیاء کا علم حاصل نہیں کرسکتی۔ جو غیب کا دائرہ ہے۔ اور عقل کی دسترس سے باہر ہے۔ تو پھر عقلاً یہ لازم آتا ہے کہ عقل کو محدود قرار دیا جائے۔ اور اس کی قابلیت اور قدرت کی حد بندی کردی جائے۔ اور اس کا اصل دائرہ عالم مظاہر یا شہادت یعنی سائنس کو قرار دیا جائے تا کہ عالم غیب کو جس طرح بصارت ایک خاص فاصلہ سے آگے نہیں دیکھ سکتی اور سماعت اپنے عمل کے لئے ایک مخصوص دائرہ چاہتی ہے۔ جس کے بعد وہ بیکار ہے اسی طرح عقل انسانی کا بھی ایک محدود دائرہ ہے۔ جس میں وہ عمل کرتی ہے۔ اگر وہ اس سے باہر جائے گی۔ تو بیکار ثابت ہوگی۔

عقل کا دائرہ ایسے واقعات سے تعلق رکھتا ہے جو تجربہ میں آچکے ہیں۔ اس سے آگے عقل نہیں جا سکتی قرآن کریم نے جن غیبی حقائق کو پیش کیا ہے وہ ہرگز خلافِ عقل نہیں۔ جس دائرہ کا علم اللہ تعالےٰ انبیاء کے ذریعہ ہی عطا فرماتا ہے۔ اس دائرہ میں ہمیں اپنی عقل کی روشنی سے نہیں بلکہ خدا اور اس کے رسول کی دی ہوئی روشنی کے سہارے ہی سے چلنا چاہیئے اپنی عقل کو خدا تعالےٰ کے علم کے تابع کرنے سے انسان بے عقل یا پاگل نہیں کہلا سکتا۔ بلکہ عاقل ہی کہلائیگا کیونکہ انسانی عقل جزئی ہے اور اللہ تعالےٰ کی عقل کل ہے۔ اور ہماری عقل جزئی ہونے کی وجہ سے کل کا علم حاصل نہیں کرسکتی:

تشخیص بجٹ کے سلسلہ میں

قائدین اضلاع کی قابلِ قدر مساعی

تشخیص بجٹ کے سلسلہ میں مکرم قائد صاحب ضلع سرگودھا لائلپور اور بہاولپور نے قابلِ قدر کام کیا ہے۔ بقیہ قائدین اضلاع سے خصوصی طور پر درخواست ہے کہ اپنے ضلع کا جائزہ لیں اور جن مجالس کے بجٹ ابھی تک مرکز میں نہیں بھجوائے گئے جلد بھجوائیں۔

جن مجالس کے بجٹ ابھی تک مرکز میں نہیں پہنچے ان کی لسٹ قائدین اضلاع کو ارسال کردی گئی ہے:

مہتمم مال خدام الاحمدیہ مرکزیہ
ربوہ

مولانا غلام احمد صاحب بدوملہوی

ترتیب و تدوینِ قرآن

قرآن کریم کا ایک ایک لفظ خدائی تنزیل ہے یعنی خدا کا لفظ ہے۔ جو بغیر توسط جبرئیلؑ کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل وظاہر کیا گیا یا بتوسط جبرئیلؑ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا اور پھر حضورؐ نے وہ کلمات دُہرائے اور دوسرے صحابہ کو یاد کروائے۔ اور یہ صرف زبانی طور پر ہوتا رہا۔ کبھی ایسا بھی ہُوا۔ کہ حضرت جبرئیلؑ کوئی تحریر سامنے لاتے۔ اور پھر خود ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو سُناتے جیسے حضورؐ ساتھ ساتھ یاد کر لیتے۔ (زرقانی)

قرآن کریم اس صورت میں ۲۳ سال تک نازل ہوتا رہا۔ کسی وقت کئی آیات یا دو تین آیات کی صورت میں اور کبھی چھوٹی چھوٹی سورتوں یا ایک دو رکوع کی شکل میں اُترتا رہا۔ اور اس کے ساتھ ہی تفہیم ہو جاتی رہی۔ کہ فلاں آیت کو فلاں سُورۃ اور فلاں فلاں آیتوں کو فلاں فلاں سورتوں میں رکھو۔ چنانچہ اس رنگ میں قرآن کریم کی ترتیب و تدوین بھی ساتھ ہی ساتھ ہوتی رہی (بخاری)

صحابہ کرام ساتھ ساتھ یاد بھی کر لیتے تھے چار صحابی بالخصوص ایسے تھے۔ جن کا نام لیکر خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو فرمایا تھا کہ ان کو قرآن پڑھانے یعنی یاد کراتے جاؤ۔ پھر وہ دوسروں کو پڑھائیں۔ ان میں سے دو مکّہ کے تھے۔ یعنی عبداللہ بن مسعودؓ۔ سالمؓ مولی ابی حذافہؓ۔ دوسرے دو مدینہ کے رہنے والے تھے۔ اور ان کے نام اُبیؓ بن کعب۔ معاذؓ بن جبل ہیں۔

قرآن کریم کی ۸۶ سورتیں مکّی ہیں۔ اور باقی ۲۸ سورتیں مدنی ہیں۔ مکّی سُورتیں وہ ہیں جو مکّہ میں نازل ہوئیں۔ یا مکّہ کو سفر کرتے ہوئے راستے میں نازل ہوئیں۔ مدنی سورتیں وہ کہلاتی ہیں۔ جو مدینہ میں نازل ہوئیں یا مدینہ کو سفر کرتے ہوئے (ہجرت کے وقت) راستے میں نازل ہوئیں۔ یا صلح حدیبیہ یا فتح مکّہ کے بعد مدینہ کو آتے ہوئے)

کئی صحابہ کرام کا یہ معمول تھا کہ وہ اپنے پاس قرآن کریم کا کچھ حصّہ لکھکر رکھتے تھے۔ اکثر صحابہ لکھنا نہ جانتے تھے۔ اس لئے زبانی ہی یاد کر لیتے تھے۔ تاریخ و حدیث سے ثابت ہے کہ ۱۹ صحابہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ اور کاتبانِ وحی کہلاتے تھے۔ جو آخر تک صحابی رہے۔ بیسواں شخص جو کبھی کبھی لکھتا تھا۔ بعد میں مرتد ہو گیا۔ اور خدا کے ایسے عذاب میں گرفتار ہو گیا کہ اسی وقت یہودیوں کے لئے بھی عبرت کا مقام بنا۔ (بخاری)

جب حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے اس وقت ان کے بہنوئی سعیدؓ بن زید کے پاس چند ورقوں میں

لکھا ہوا قرآن تھا۔ جس کو حضرت خبابؓ پڑھ رہے تھے ان اوراق کو ہاتھ لگانے سے حضرت عمرؓ کو ان کی بہن حضرت فاطمہؓ نے روک دیا تھا کہ تم ناپاک ہو۔ پہلے نہالو۔ پھر ان کو پڑھو۔ چنانچہ انہوں نے غسل کیا پھر وہ اوراق پڑھے۔ اور پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لائے (بخاری)

بخاری شریف میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد درج ہے۔ کہ جبرئیل ہر سال رمضان کے مہینے میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآن کریم کا دور کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری سال انہوں نے رمضان مبارک میں دو دفعہ قرآن کریم کا دور کیا۔ جس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ سمجھا کہ اب آپ خدا کو پیارے ہونے والے ہیں۔ یہ بات خود حضورؐ نے اپنی آخری بیماری میں فرمائی۔ (بخاری)

ترتیب نزول کے لحاظ سے قرآن کریم کی سورتوں کے نمبر بلحاظ نزول درج ذیل کئے جاتے ہیں۔ سورۃ فاتحہ جو ترتیب و تدوینِ قرآن میں پہلے نمبر پر ہے۔ نزول کے لحاظ سے پانچویں سورۃ ہے اور اسی طرح سورۃ بقرہ جو موجودہ ترتیب کے لحاظ سے دوسرے نمبر پر ہے نزول کے لحاظ سے ۸۷ نمبر پر آتی ہے۔

قرآن کریم کا نزول واقعاتِ عالم (خواہ صحابہ کرام سے متعلق ہوں یا مکہ والوں سے یا دوسرے قبائل سے متعلق ہوں) کے مطابق ہوا۔ اور جس ترتیب میں دنیا کے سامنے پیش کیا گیا۔ وہ بلحاظ تعلیم و تدریس کے ہے۔ اور موجودہ سورت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانہ میں ہی مرتب و مدون ہو چکا تھا۔ حضورؐ نے اور صحابہؓ کرام نے بھی قرآن کریم اسی ترتیب سے پڑھا۔ اور یاد رکھا اور نمازوں میں تلاوت کرتے رہے۔ اور اسی ترتیب کے ساتھ ہی ایک جلد صورت میں لکھوا کر حضرت حفصہؓ زوجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی خلافت میں رکھوایا۔ جس کی چھ کاپیاں بعد میں حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت میں مکہ۔ کوفہ۔ بصرہ۔ دمشق مصر وغیرہ میں بھجوائیں۔

ترتیب سُوَر قرآنی بلحاظ نزول

۱۔ العلق
۲۔ ن والقلم
۳۔ المزمّل
۴۔ المدّثر
۵۔ فاتحہ
۶۔ لہب
۷۔ تکویر
۸۔ اعلیٰ
۹۔ الیل
۱۰۔ الفجر
۱۱۔ والضحیٰ
۱۲۔ الم نشرح
۱۳۔ والعصر
۱۴۔ والعادیات
۱۵۔ کوثر
۱۶۔ تکاثر
۱۷۔ ماعون
۱۸۔ کافرون
۱۹۔ فیل
۲۰۔ فلق
۲۱۔ النّاس
۲۲۔ اخلاص
۲۳۔ نجم
۲۴۔ عبس
۲۵۔ قدر
۲۶۔ شمس
۲۷۔ بروج
۲۸۔ تین
۲۹۔ قریش
۳۰۔ قارعۃ
۳۱۔ قیامۃ
۳۲۔ ھمزۃ

فتح ۱۳۴۷ ھش
صلح ۱۳۴۸

۳۳ - مرسلات
۳۴ - ق
۳۵ - البلد
۳۶ - الطارق
۳۷ - قمر
۳۸ - صٓ
۳۹ - اعراف
۴۰ - جنّ
۴۱ - یٰسٓ
۴۲ - فرقان
۴۳ - فاطر
۴۴ - مریمؑ
۴۵ - طٰہٰ
۴۶ - واقعۃ
۴۷ - شعراء
۴۸ - نمل
۴۹ - قصص
۵۰ - بنی اسرائیل
۵۱ - یونس
۵۲ - ہود
۵۳ - یوسف

۵۴ - حجر
۵۵ - انعام
۵۶ - صافّات
۵۷ - لقمانؑ
۵۸ - سبا
۵۹ - زمر
۶۰ - مومن
۶۱ - حٰمٓ سجدہ
۶۲ - شوریٰ
۶۳ - زخرف
۶۴ - دخان
۶۵ - جاثیہ
۶۶ - احقاف
۶۷ - ذاریات
۶۸ - غاشیہ
۶۹ - کہف
۷۰ - نحل
۷۱ - نوحؑ
۷۲ - ابراہیم
۷۳ - انبیاء
۷۴ - مومنون

۷۵ - الٓمٓ سجدہ
۷۶ - طور
۷۷ - مُلک
۷۸ - حاقّۃ
۷۹ - معارج
۸۰ - نبأ
۸۱ - نازعات
۸۲ - انفطار
۸۳ - انشقاق
۸۴ - روم
۸۵ - عنکبوت
۸۶ - تطفیف
۸۷ - بقرۃ
۸۸ - انفال
۸۹ - آل عمران
۹۰ - احزاب
۹۱ - ممتحنہ
۹۲ - نساء
۹۳ - زلزال
۹۴ - حدید

۹۵ - محمدؐ
۹۶ - رعد
۹۷ - رحمان
۹۸ - دھر
۹۹ - طلاق
۱۰۰ - بیّنہ
۱۰۱ - حشر
۱۰۲ - نور
۱۰۳ - حج
۱۰۴ - منافقون
۱۰۵ - مجادلہ
۱۰۶ - حجرات
۱۰۷ - تحریم
۱۰۸ - تغابن
۱۰۹ - صف
۱۱۰ - جمعہ
۱۱۱ - فتح
۱۱۲ - مائدہ
۱۱۳ - توبہ
۱۱۴ - نصر

نیا سال اور نیا عزم:- مجلس خدام الاحمدیہ کا نیا سال یکم نبوت / نومبر سے شروع ہو چکا ہے قائدین خدام الاحمدیہ سے درخواست ہے کہ وہ اس نئے سال کا کام ایک نئے جوش اور عزم کے ساتھ شروع کریں اور اپنی مجالس کو بیدار کر کے خدام الاحمدیہ کی فعال مجالس کی فہرست میں شامل کریں۔

(مہتمم مال خدام الاحمدیہ مرکزیہ - ربوہ)

پروفیسر بشارت الرحمن صاحب ایم۔ اے

مسلمان تاجر کا مقام

تجارت کو دنیا میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ آج کسی ملک کی معاشی حالت کا انحصار بھی عموماً تجارت پر ہی ہوتا ہے۔ یہ تو تجارت کی مجموعی حیثیت ہے۔ لیکن عمومی لحاظ سے بھی تجارت ایک معزز پیشہ ہے اور ہمارے پیارے آقا نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنی معاشی زندگی میں اسی پیشہ کو اختیار فرمایا اسی طرح اکثر اکابر صحابہ بھی تاجر پیشہ تھے۔

تجارت میں اکثر دھوکا، فریب، اور تکاثر فی الاموال کا رنگ پیدا ہوتا ہے یہ ایک کٹھن امتحان ہے جس میں وہی شخص کامیاب ہو سکتا ہے جو اپنے آپ کو خدا تعالے کی رضا اور خوشنودی کے راستے پر گامزن کرتا ہے۔ دیانت اور امانت کو اپنا شعار بناتا ہے۔ ایسا شخص خدا تعالے کی طرف سے عظیم الشان برکات اور انعامات کا وارث قرار دیا جاتا ہے کیونکہ جتنا امتحان مشکل ہوتا ہے۔ اتنا ہی اس کا انعام بھی عظیم ہوتا ہے۔

پس ایک مسلمان تاجر کا مطمح نظر صداقت اور امانت ہونا چاہیئے۔ جیسا کہ ہمارے آقا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَاءِ (مشکوٰۃ ابواب البیوع۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی آتی ہے)

یہ کہ وہ تاجر جو اکثر سچ بولتا ہے اور اپنی چیز بیچنے میں امانت و دیانت اختیار کرتا ہے وہ نبیوں اور صدیقوں کے ساتھ ہوگا۔ یعنی تجارت میں صدق اور امانت ایک ایسی نیکی ہے کہ اس کا عامل ترقی کرتے کرتے اپنی استعداد کے مطابق نبیوں اور صدیقوں کے زمرہ میں شامل ہو سکتا ہے۔

اس حدیث میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمان تاجر کے لئے صدوق کا لفظ فرمایا جس کے معنے بہت سچ بولنے والے کے ہیں۔ گویا اس میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ مسلمان تاجر اپنی چیز کے نقائص ذرہ بھر بھی نہیں چھپاتا۔ بلکہ صاف گوئی سے کام لیتا ہے اور نرخ میں بھی سچائی کو مدنظر رکھتا ہے۔ اسی طرح لفظ امین میں بھی اس امر کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ کہ وہ ہر رنگ میں امن دینے والا ہوتا ہے یعنی اس کی امانت اور دیانت کے باعث خریدار مطمئن ہو جاتے ہیں اور ذرہ بھر بھی شبہ پیدا نہیں ہونے پاتا۔

مسلمان تاجر متوکل علی اللہ بھی ہوتا ہے وہ صرف خدا کو ہی اپنا رازق سمجھتا ہے اور خدا تعالیٰ کی بتائی ہوئی تدابیر پر عمل کرتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ اس کا بہتر سے بہتر نتیجہ محض اللہ تعالے کے فضل سے ہی نکلیگا چنانچہ خدا تعالے قرآن کریم میں فرماتا ہے مَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُهٗ۔ یعنی جو شخص بھی اللہ تعالیٰ پر توکل کریگا خدا تعالیٰ اس کے لئے کافی ہوگا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم بھی تجارت پیشہ تھی لیکن وہ لوگ ٹھگی اور فریب کاری سے کام لیتے تھے خدا تعالیٰ قرآن کریم میں حضرت شعیبؑ کی زبان سے انہیں نصیحت کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (ہود۔ ۸۷) یعنی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل اور سمجھ اور قابلیت تمہارے لئے کافی ضمانت ہے کہ اگر تم ترقی کرنا چاہتے ہو۔ تو خدا کی دی ہوئی قابلیتوں کو بروئے کار لاؤ ورنہ ٹھگی اور فریب کاری کے ذریعہ سے تو تم ہلاک ہو جاؤ گے۔

ایک مسلمان تاجر ہر وقت خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتا ہے اور دست با کار و دل با یار کا مصداق ہوتا ہے۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ مسلمان تاجروں کی شان بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ (النور ۳۸-۳۹)

ترجمہ (یہ ذکر کرنیوالے) کچھ مرد ہیں جن کو اللہ کے ذکر سے اور نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ کے دینے سے نہ تجارت اور نہ سودا بیچنا غافل کرتا ہے۔ وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اُلٹ جائیں گے۔ اور آنکھیں پلٹ جائیں گی نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ انکو ان کے اعمال کی بہتر سے بہتر جزا دیگا اور ان کو اپنے فضل سے (مال و اولاد میں) بڑھا دے گا۔ اور اللہ جس کو چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق دیتا ہے۔

اس آیت میں اس طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ مسلمان تاجر کو دعا اور توکل کو اپنا شعار بنانا چاہیئے۔ انابت الی اللہ کی حالت ہر دم قائم رکھنی چاہیئے۔ اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے میں خوشی محسوس کرنی چاہیئے۔

مسلمان تاجر متقی ہونا چاہیئے۔ یعنی ہر حالت میں خدا تعالیٰ کا تقویٰ مدنظر رکھنا چاہیئے۔ چونکہ تجارت میں اتار چڑھاؤ اور نفع نقصان کے ساتھ ہزاروں خطرات بھی ہوتے ہیں۔ مگر متقی انسان خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے ان خطرات میں ثابت قدم رہتا ہے۔ اور یقین رکھتا ہے کہ خدا کوئی نہ کوئی راہ اس کے لئے کھول دے گا۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ یعنی جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرتا ہے وہ خطرات سے امن میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ ہر مشکل سے اسے نکال لیتا ہے اور ایسے طریقوں سے اسے رزق دیتا ہے جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتے۔

ایک مومن تاجر کی ایک شان یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ جب تولتا ہے تو تول پورا کرتا ہے اسی طریق سے دوسروں کو بھی دیتا ہے وہ ہمیشہ خدا تعالیٰ کے اس وعید سے ڈرتا رہتا ہے۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ○ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ - اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ○ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ○ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ○

ترجمہ۔ سودا سلف میں وزن کم کرکے دینے والوں کے لئے عذاب ہی عذاب ہے، (ان کے لئے) جو

(باقی دیکھیں ...)

حافظ قدرت اللہ صاحب
سابق مبلغ ہالینڈ

دنیائے اسلام

ایک تاریخی اور واقعاتی جائزہ

تاریخ سے یہ امر ثابت ہے۔ کہ اسلام اپنی پہلی صدی میں ہی عرب سے نکل کر گرد و پیش کے بہت سے ممالک میں پھیل گیا۔ اور پھر جلد ہی ان پر چھا گیا۔ اس حقیقت کو سہولت کے ساتھ سمجھنے کے لئے کہ اسلام کا پھیلاؤ اپنی وسعت اور زمانہ کے لحاظ سے کیسے عمل میں آیا۔ ہم اسے موٹے طور پر سات حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

۱۔ عربوں کا زمانہ

یہ زمانہ تین حصوں پر مشتمل ہے:-

ا۔ خلافت راشدہ۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں شام اور عراق میں اسلام کے پاؤں لگ گئے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں عظیم الشان ایرانی سلطنت اور بعض اور قریب کے علاقے اسلام کے زیر نگین آ گئے۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے عہد میں افریقہ کا شمالی ساحل اور مشرق وسطیٰ سے ترکی تک کے علاقے اسلام کے زیر اثر آ گئے۔ مشہور جنگیں اس عرصہ میں یہ تھیں:-

جنگ یرموک (شام) ۶۳۶ء میں۔

جنگ قادسیہ (ایران) ۶۳۷ء میں۔

فتح مصر ۶۴۰ء میں

یہ زمانہ تیس سال کا تھا یعنی ۶۳۲ء سے ۶۶۱ء تک

ب۔ بنو امیہ کا زمانہ۔ قریباً یکصد سال۔ دار الخلافہ دمشق۔ معاویہ ۶۶۱ء میں بادشاہ ہوئے بنو امیہ کے بادشاہوں میں ولید بڑی شان کا بادشاہ تھا۔ سپین میں طارق اور سندھ میں محمد بن قاسم آئے۔ (سپین کا حال آگے ملاحظہ فرمائیں) بنو امیہ کا زمانہ ۷۵۰ء تک رہا۔

ج۔ بنو عباس کا زمانہ کوئی دو صد سال رہا۔ دار الخلافہ بغداد۔ بنو عباس خراسانی شیعوں کے ساتھ برسر اقتدار آئے۔ بنو عباس کے بادشاہوں میں ماموں کا بیٹا ہارون الرشید بہت شان کا بادشاہ تھا۔ اس عہد میں اسلامی علوم کا چرچا تھا خصوصاً احادیث اور فقہ کے علوم کا۔ سو سال بعد بنو عباس کمزور ہو گئے۔ خراسان الگ ہو گیا۔ اسی طرح عرب بھی الگ ہو گئے۔ مصر اور شمالی افریقہ بنو فاطمہ کے زیر نگین آ گئے۔ خراسان کا مشہور بادشاہ محمود غزنوی ہوا۔ جس نے ہندوستان پر ۱۷ حملے کئے اور ہندوؤں کے زور کو توڑ کر رکھ دیا۔ اور اسلامی حکومت کے لئے راستہ صاف ہو گیا۔

۹۵۰ء سے ۱۰۶۰ء تک فسادات کا زمانہ رہا۔

فتح ۱۳۰۴ھ صلح ۱۳۴۸

جس کے بعد تاریخ کا ایک دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔

۲- ترک سلجوق

(سنہ ۱۰۵۰ء تا سنہ ۱۲۵۰ء) یعنی دو سو سال

ان کا پہلا بادشاہ تغرل ہوا۔ جس کی وفات سنہ ۱۰۶۳ء میں ہوئی۔ نظام الملک۔ ان میں ایک مشہور سیاستدان ہوا ہے۔ اس عہد میں اسلامی سلطنت انتشار کے بعد پھر ایک دفعہ مجتمع ہوئی۔ صرف مصر اور سپین اس سے باہر رہے۔ یہ زمانہ علوم کی ترقی کا تھا۔ صلیبی جنگیں اسی عہد میں لڑی گئیں۔ ان جنگوں کے ضمن میں صلاح الدین ایوبی کا نام خاص طور پہ قابل ذکر ہے۔ سنہ ۱۲۰۰ء میں پھر زوال شروع ہو گیا۔

۳- مغلیہ عہد

(سنہ ۱۲۵۰ء تا سنہ ۱۵۰۰ء یعنی ۲۵۰ سال)

سنہ ۱۲۲۰ء میں وسطی ایشیا سے مغل اٹھے۔ چنگیز خان اور ہلاکو خان دو بڑے قابل ذکر بادشاہ ہوئے جنھوں نے یورپ اور ایشیا کو ہلا کر رکھ دیا۔ ہلاکو خان کے نام کے ساتھ بغداد کی تباہی (سنہ ۱۲۵۸ء) کو تعلق ہے۔ سب کچھ وہاں نیست و نابود کر دیا۔ مگر اسلام کو نہ مٹا سکے بلکہ بہال کے اندر خود اس کا شکار ہو گئے۔ ایران میں مغلوں کی حکمرانی سنہ ۱۳۵۰ء تک رہی۔ پھر تیمور کا زمانہ شروع ہو جاتا ہے جس نے روس اور چین تک تاخت و تاراج کیا اور ادھر سلطان ترکی کو بھی زیر نگین کر لیا۔ تیمور کے جانشینوں نے اس کے بعد ۱۰۰ سال حکومت کی۔ مگر ان کے بعد اس عہد میں بھی زوال آنا شروع ہو گیا۔

یہ عہد اپنے رنگ کا علمی زمانہ تھا۔ شاہ شمس تبریز، جلال الدین رومی، شیخ محی الدین ابنِ عربی، حافظ اور سعدی اس عہد میں خاص طور پہ قابلِ ذکر ہیں۔

۴- چوتھا دور

یہ دور کوئی تین صد سال کا ہے (سنہ ۱۵۰۰ء تا سنہ ۱۸۰۰ء) اور تین حصوں پہ مشتمل ہے۔

ا- صفوی دور- (شیعہ ایرانی) یہ دور ایران میں گویا شیعہ عہد حکومت کی ابتداء تھا۔ پہلا بادشاہ اسماعیل صفوی ہوا۔ ایران کے لئے یہ بڑے عروج کا زمانہ تھا۔ صفویوں کی ایران کے علاوہ افغانستان اور عراق کے بعض حصوں پر بھی حکومت تھی۔

ب- دوسری طرف عثمانی ترک تھے۔ جو ترکی کے علاوہ عرب۔ شام۔ مصر اور الجیریا کے حصوں پہ قابض تھے۔ ترکی میں محمد۔ سلیم اور سلیمان قابل ذکر بادشاہ تھے۔ سلیم نے مصر۔ شام اور حجاز فتح کر کے خلیفہ کا لقب اختیار کر لیا۔ اور سلیمان (سنہ ۱۵۱۰ء سے ۱۵۶۶ء) یوگوسلاویہ۔ پولینڈ اور آسٹریا تک حکمران تھا یعنی ایران سے جرمنی تک اس کی حکومت تھی۔ بحری بیڑہ بھی بہت مضبوط تھا۔ مگر پھر ترکوں اور ایرانیوں کی جنگیں شروع ہو گئیں ورنہ ترکوں کی فتوحات کے پیشِ نظر آج عیسائی یورپ کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔

ج- ہندوستان میں مغلوں کا عروج بھی اسی زمانہ میں تھا۔ تیمور کی نسل یہاں حکمران تھی۔ جس میں اکبر۔ شاہجہان۔ جہانگیر اور اورنگ زیب مشہور بادشاہ گزرے ہیں۔ مغلوں کے زمانہ میں ہندوستان کی حکومت ایک نہایت شان کی حکومت تھی۔

۵۔ پانچواں دَور

یہ دورِ آخری زمانہ میں ترکوں اور مغلوں کے انحطاط اور زوال کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ صفوی بھی ایران میں (۱۷۲۲ء) ختم ہو گئے۔ ہندوستان میں سنہ ۱۸۰۱ء میں انگریزوں نے قدم جمانے شروع کر دیئے اور ۱۸۵۷ء میں مغلوں کا مکمل خاتمہ ہو گیا بہادر شاہ ظفر آخری بادشاہ تھا۔

ترکی کو جنگِ عظیم میں جرمنی کا ساتھی بن کر سخت نقصان اُٹھانا پڑا۔ اس شکست کے نتیجہ میں ترکی کے تمام مقبوضات ختم ہو گئے جو انگریزوں اور فرانسیسیوں نے آپس میں بانٹ لئے۔

اس آخری دور میں مصر کو پھر محمد علی۔ ترکی کو مصطفےٰ کمال اور ایران کو رضا شاہ پہلوی جیسے لیڈر ملے جو قابلِ ذکر ہیں۔

۶۔ سپین میں بنو اُمیہ (۷۱۱ء تا ۱۴۹۲ء)

یعنی کوئی سات سو سال وہاں ان کی حکومت رہی۔ طارق سپین کا فاتح تھا۔ اور غرناطہ صدر مقام۔ سلطنت عظیم الشان تھی۔ اسلامی علوم اور دوسرے دنیوی علوم کے دریا بہتے تھے۔ یورپ نے بہت کچھ ان سے سیکھا۔ انجام کار آپس کی نااتفاقی اور دغابازی کی وجہ سے تباہ و برباد ہو گئے۔

۷۔ انڈونیشیا میں اسلام

انڈونیشیا سے اسلام کا پہلا تعارف عرب تاجروں کے ذریعہ سے ہوا۔ جو چین جایا کرتے تھے۔ یہ آٹھویں صدی عیسوی کی بات ہے۔ ملاکا اس زمانہ میں تجارت کا اہم مرکز تھا۔ چنانچہ شمالی سماٹرا میں گیارھویں صدی میں مسلمانوں کا ثبوت ملتا ہے جس کا ذکر مارکو پولو۔ اٹیلین سیاح (آخر ۱۳ویں صدی) اور ابن بطوطہ مشہور عرب سیاح (۱۴ویں صدی) نے اپنے سفرناموں میں کیا ہے۔ جاوا میں ۱۵ویں صدی میں اسلام کا خاصہ ذکر ہے اور ۱۶ویں صدی میں وہاں کافی وسعت کے ساتھ مسلمان پھیل چکے تھے۔

اسلامی دنیا کے اس سرسری سے تاریخی جائزہ کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تعداد اور کمیت کے لحاظ سے بھی مسلمانوں کا کچھ ذکر ہو جائے تا یہ اندازہ ہو سکے کہ مسلمان دنیا میں کس قدر ہیں اور کس کس ملک میں ان کی کتنی تعداد ہے۔ یہ معلومات بڑی محنت اور احتیاط کے ساتھ جمع کی گئی ہیں اور متعدد قابلِ اعتماد ذرائع پر مبنی ہیں۔ جائزہ پیشِ خدمت ہے:۔

ایشیاء

کل آبادی = ۲،۰۷۹،۶۹۵،۰۰۰

مسلمان = ۴۷۱،۸۲۹،۰۰۰

فیصد مسلمان = ۲۳٫۷۵ %

افریقہ

کل آبادی = ۳۱۰،۰۰۰،۰۰۰

مسلمان = ۱۶۶،۱۳۵،۰۰۰

فیصد مسلمان = ۴۸٫۷۵ %

یورپ

کل آبادی = ۶۷۶،۶۰۰،۰۰۰

مسلمان = ۱۵,۵۶۴,۰۰۰

فیصد مسلمان - ۳۰٫۴ %

امریکہ

کل آبادی = ۴۵۷,۰۰۰,۰۰۰

مسلمان = ۸۸۷,۰۰۰

فیصد مسلمان = ۰٫۱۹ %

متفرق علاقے

کل آبادی = ۱۷,۵۰۰,۰۰۰

مسلمان = ۱۸۵,۰۰۰

فیصد مسلمان = ۱٫۰۰ %

---

۴۳ ممالک میں مسلمان ۹۰ فیصد یا اس سے زیادہ ہیں

۸ " " ۷۵ " سے ۹۰ فیصد تک ہیں۔

۷ " " ۵۰ " سے ۷۵ " " "

۷ " " ۲۵ " " ۵۰ " " "

۲۱ " " ۱۰ " " ۲۵ " " "

۵ " " ۵ " " ۱۰ " " "

۲۵ " " ۱ " " ۵ " " "

---

۴۰ بڑے مسلمان ممالک۔ تعداد کی ترتیب کے ساتھ ذیل میں درج ہیں:-

۱- پاکستان
۲- انڈونیشیا
۳- ہندوستان
۴- چین
۵- روس
۶- نائیجیریا
۷- ترکی
۸- مصر
۹- ایران
۱۰- افغانستان
۱۱- سوڈان
۱۲- الجیریا
۱۳- حبشہ
۱۴- عراق
۱۵- سعودی عرب
۱۶- ملیشیا
۱۷- یمن
۱۸- شام
۱۹- ٹیونس
۲۰- کشمیر (جموں)
۲۱- کینیا
۲۲- مالی
۲۳- نائیجر
۲۴- تنزانیہ
۲۵- سینیگال
۲۶- فلپائن
۲۷- صومالیہ
۲۸- ملاوی
۲۹- جورڈن
۳۰- چاڈ
۳۱- موریطانیہ
۳۲- لیبیا
۳۳- گھانا
۳۴- یوگنڈا
۳۵- سیام
۳۶- مالاغاسی
۳۷- لبنان
۳۸- کیمرون
۳۹- اپر وولٹا
۴۰- برما

دنیا کی کل آبادی = ۳,۵۴۰,۷۹۵,۰۰۰

دنیا کے کل مسلمان = ۶۵۴,۶۰۰,۰۰۰

مسلمان فیصد = ۱۸٫۵۰ %

۱- دنیا کے مسلمان = ۶۱۲,۶۰۰,۰۰۰

۲- " " عیسائی = ۹۲۲,۸۵۰,۰۰۰

۳- " " ہندو = ۴۳۰,۰۰۰,۰۰۰

۴- " " کنفیوشس = ۴۲۸,۰۰۰,۰۰۰

۵- " " بدھ = ۲۳۰,۰۰۰,۰۰۰

۶- " " شنتو ازم = ۳۴,۸۵۰,۰۰۰

۷- " " یہودی = ۱۳,۸۰۰,۰۰۰

۸- " " سکھ = ۸,۰۰۰,۰۰۰

نوٹ:- وہ لوگ جو کسی خاص مذہب کے ساتھ تعلق نہیں بلکہ ... [illegible]

منوّر احمد انیس ربوہ

حیاتیاتی نظام مواصلات

دستِ تخلیق کا بے مثال کرشمہ ___ خلیہ، لاکھوں برس تک ایوانِ حیات کو سہارا دیئے کائنات کی بیکراں وسعتوں میں زندگی کی لَو کا محافظ رہا۔ بڑھتی پھولتی زندگی نے ننھے خلیے کے لئے بہت سی نئی ذمہ داریاں پیدا کر دیں۔ اب خلیہ تنہا نہ تھا۔ بلکہ کروڑوں خلیے بھی جہد للبقاء میں مصروف تھے۔ چنانچہ ان امن پسند خلیوں نے مشورہ کیا کہ بھلے آدمیوں کی طرح بجائے اس کے کہ ہم دوسروں کے پھٹے میں ٹانگ اڑائیں بہتر ہوگا اگر ایک اچھے معاشرہ کی بنیاد رکھ دی جائے اور سب مل جل کر کام کریں۔ یہ خلیے بڑے بھلے مانس تھے انہوں نے اقوام متحدہ کے مندوبین کی طرح صرف اپنے ملک کے فائدہ کی خاطر ہی نہیں بلکہ ہمہ گیر بہبود کی بنیاد ڈالی اور تقسیم کار یوں کی کہ تمام خلیے یوں اپنے اپنے فرائض سر انجام دیں۔ کہ ان میں سے کوئی بھی آزاد ریاست کا اعلان نہ کر بیٹھے۔ چنانچہ جسم انسانی کے کچھ خلیوں کو بیتی یادوں کو دہرانا پسند آیا۔ جنگجو خلیوں نے جسم کے بیرونی دشمنوں کے خلاف مورچے سنبھال لئے۔ کچھ نے جسم کو قوت پہنچانے کا ذمہ لیا تو کچھ نے پیغام رسانی کا۔ الغرض تمام خلیوں نے اپنے اپنے فرائض سنبھالے اور جسم کی بہبود کے لئے جُٹ گئے

آیئے آج ان خلیوں سے ملیں۔ جو ہمارے جسم کے پیغام رساں ہیں۔ وہ دیکھیے ایک صاحب ہلو ہلو ہلو پر ٹیلیفون کر رہے ہیں۔ یہ تو ہنگامی پولیس کے امدادی مرکز کا نمبر ہے۔ لیکن شاید یہ بھی اپنے امدادی سے مخاطب ہیں۔ اور یہ سلسلہ "زلفِ دراز" حرام مغز کی بتی تک جا پہنچا ہے۔ یہ کہہ رہے ہیں کہ "بائیں ہاتھ کی دوسری انگلی کے سرے پر درجہ حرارت غیر معمولی طور پر بڑھ گیا ہے۔ جو جلد کے لئے خطرناک ہے۔ امدادی کارکنان کو جائے حادثہ پر بھیجیے۔ تاکہ وہ آفتوں کے بچاؤ کی تدبیر کر سکیں۔"

یہ پیغام متعلقہ افسروں تک جا پہنچا ہے انہوں نے پیغام کی نوعیت کے مدنظر پیغام رساں خلیوں کے ایک دوسرے نظام کو متعلقہ ہدایات جاری کی ہیں۔ یہ خلیے اس پیغام کو فوراً جائے حادثہ کے قریبی عضلات تک پہنچاتے ہیں اور ان ہدایات کے تحت عضلات میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔ اور انگلی حرارت کے منبع سے پرے ہٹا لی جاتی ہے۔ قصہ یوں تھا کہ آپ کا ہاتھ اچانک موم بتی کے بھڑکتے شعلے کے بہت قریب جا پہنچا تھا۔ حرارت میں یکدم اضافہ کی خبر فی الفور پہنچی اور آپ نے ردّ عمل یوں ظاہر کیا کہ فوراً ہاتھ کھینچ لیا۔

آپ انتہائی تیز روشنی میں یکدم آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ کسی معمولی زخم سے رِستا خون خود بخود بند ہو جاتا ہے۔ مہلک ہیضے کے خلاف آپ فوری ردّ عمل ظاہر کرتے ہیں۔ کیا آپ نے کبھی سوچا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔

کہ آپ بال بال بچ جاتے ہیں؟

یہ سب۔ آپ کے جسم میں ایک جال کی طرح پھیلے ہوئے عصبی خلیوں (Neurons) کی کرشمہ سازیاں ہیں عصبی شکل خلیہ میں ایک درخت سے مماثل ہے۔

درج بالا شکل میں اس خلیہ کے مختلف حصوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ جسم میں ان خلیوں کی ترتیب بہت حد تک یوں ہوتی ہے کہ ایک خلیہ کے شجریے دوسرے خلیہ کے زیریں شجریہ کے مقابل ہوتے ہیں۔ بہت سے خلیے مل کر ایک عصبہ (Nerve) کی تشکیل کرتے ہیں نظام اعصاب، دماغ، نخاع (Spinal Cord) اور ان سے متعلقہ عصبوں اور عقدوں (Ganglia) پر مشتمل ہے۔

یہ نظام بنیادی طور پر دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک مرکزی نظام جس میں دماغ اور نخاع شریک ہیں اور دوسرا خود اختیاری نظام (Autonomic system) جو عقدوں اور ان کے ریشوں سے مرکب ہے۔ یہ غیر ارادی افعال کی انجام دہی کا ذمہ وار ہے۔ ارادی افعال کا منبع مرکزی نظام اعصاب ہے۔

غیر ارادی افعال وہ ہیں جن پر ہمیں قابو نہ ہو اور وہ خود بخود انجام پاتے رہیں۔ یا یوں کہئے۔ کہ ہماری عکسی حرکات کو ان افعال کا نام دیا جا سکتا ہے۔ ارادی افعال وہ ہیں جو ہم اپنی پسند یا ناپسند سے کرتے ہیں۔

عصبی خلیے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک حسی (Sensory) اور دوسرا حرکی (Motor) تیز روشنی کا جھپاکا آیا۔ اور آپ نے یکدم آنکھیں بند کر لیں تاکہ آپ کی بصارت محفوظ رہے۔ آپ جانتے ہیں کہ روشنی کی ماہیت برقناطیسی (Electro-magnetic) ہے۔ انسانی آنکھ ۳۸۰ تا ۷۶۰ ملی مائکران (Millimicron) طول موج کی روشنی سے متاثر ہوتی ہے۔ روشنی آنکھ کے اندرونی پردوں سے گزر کر شبکیہ (Retina) پر پڑتی ہے جس میں ایک مخصوص مادہ رنگی Retinene پایا جاتا ہے روشنی اس مادہ کی برقی۔ کیمیائی ماہیت میں تبدیلی پیدا کرتی ہے ۳۸۰-۷۶۰ mu طول موج کی روشنی کے اثرات مختلف ہوتے ہیں۔ شبکیہ کے پیچھے مخصوص خلیے پائے جاتے ہیں۔ جنہیں Rods and Cones کا نام دیا جاتا ہے۔ Rods خلیے اشیاء کے رنگ کے علاوہ روشنی کے ذریعے ان کے بارہ میں سب کچھ معلوم کر لیتے ہیں۔ رنگ کا پتہ چلانا Cones کا کام ہے۔ مادہ رنگی کی برقی کیمیائی ماہیت کا تبدل اب ان خلیات

تک پہنچتا ہے۔ ان خلیوں کے پیچھے بصری عصبہ موجود ہوتا
ہے۔ جو بہت سے خلیوں سے مرکب ہے:۔

Na
K
(1)

Na
K
(2)

Na
K
(3)

ہر عصبہ کی پرت جب تک کوئی پیغام موصول
نہیں کرتی اس کی کیمیائی ماہیت میں تبدیل نہیں ہوتی
پرت کے اندر پوٹاشیم کے منفی برقی رواں (Electro
negative ions) اور باہر سوڈیم کے مثبت
برقی رواں (Electro positive ions)
موجود ہوتے ہیں۔ (دیکھئے شکل نمبر۱)

اب Rods & cones نے روشنی کا
پیغام بصری عصبہ تک پہنچا دیا۔ روشنی نے اس عصبہ کی کیمیائی
ماہیت یوں بدلی کہ اس کے برقی روانوں کے نظام کو الٹ
دیا۔ اور یوں پرت برقی موصل کی صورت اختیار کر گئی۔
(دیکھئے شکل نمبر۲) اور یہ برقی پیغام اس خلیہ سے
گزر کر دوسرے خلیہ میں اور یہاں تک کہ نخاع میں جا
پہنچا۔ یہاں ایک مقام ایسا آیا کہ آخری حسی خلیہ کا ملاپ
ایک حرکی خلیہ سے ہوا۔ (یاد رکھیئے کہ ہر دو عصبی خلیوں
کی درمیانی جگہ (Synapse) میں اس برقی پیغام
کی کمزور طاقت کو اس کی اصل طاقت تک کیمیائی عمل کے
ذریعے بحال کیا جاتا ہے تاکہ پیغام کی نوعیت تبدیل نہ
ہو جائے)۔ اس حرکی خلیہ نے تو بس یہ گھنٹی لے رکھی تھی کہ

کھینچا تانی کر کے مصیبت زدہ بافتوں کو بچا لو۔ چنانچہ
اب پیغام دوسرے راستے پر سفر شروع کرتا ہے۔ اسی
طور، تمام خلیوں کی کیمیائی ساخت بدلتے ہوئے یہ پیغام
آخری حرکی خلیہ کو ملتا ہے۔ اس خلیہ کا زیریں تجزیہ آنکھوں
کی نسیجوں کے نہایت قریب ہے۔ اب عصبی خلیے تو ختم
ہو گئے۔ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اب نسیجوں کو کیونکر
خطرہ سے خبردار کیا جائے؟

نسیجوں کو یہ خبر یوں ملتی ہے کہ آخری حرکی خلیہ
کی کیمیائی ماہیت کی تبدیلی کے باعث نسیج اور خلیہ
کے زیریں تجزیہ کی درمیانی جگہ میں ایک کیمیائی مادہ
ایسیٹائل کولائن (Acetylcholine) پیدا
ہوتا ہے۔ اس مادہ کی موجودگی نسیج کو متحرک کرتی ہے۔
اور یوں آپ پلکوں کو جھپک کر روشنی کے مضر اثرات
سے بچ رہتے ہیں۔ یہ مادہ اگر مسلسل پیدا ہوتا رہے تو نسیج
مسلسل متحرک رہیں گے۔ اس خرابی کو دور کرنے کے لئے
ایک خامرہ (Enzyme) اپنا عمل شروع کرتا ہے
اور اس مادہ کی تعدیل کر دیتا ہے۔ تاکہ آئندہ پیغامات
پر عمل کیا جا سکے۔

اب ادھر کی بھی سنیئے! روشنی کے برقی، کیمیائی
پیغامات کی ترسیل نے تمام خلیوں کی کیمیائی ہیئت تبدیل
کر دی تھی۔ (شکل نمبر۲) اگر یہ حالت برقرار رہے۔ تو
لغویات نشر ہوتی رہیں گی۔ اور عضلات بے وجہ پھڑکتے
رہیں گے۔ سو نشریات کی بہتر ترسیل کے لئے جونہی
پیغام ایک خلیہ سے گزر کر دوسرے خلیہ میں پہنچ جاتا
ہے وہ خلیہ خود بخود اپنی اصل کیمیائی حالت کو برقرار
کر لیتا ہے۔ تاکہ آئندہ پیغامات سن سکے۔ (دیکھئے
شکل نمبر۳)

آپ دلربا موسیقی کی داد نہیں دے سکتے اگر آپ کے کان کے عصبی خلیے ہی کسی اچھی دھن پر سر دھننے بیٹھ جائیں اور پیغام رسانی سے غافل رہیں۔ آواز ارتعاش کی پیداوار ہے۔ ارتعاش ہوا کی لہروں پر سفر کرتا ہے انسانی کان ۱۶ تا ۲۰،۰۰۰ ارتعاشات فی سیکنڈ تک متاثر ہوتا ہے۔ آواز کی لہریں کان میں پہنچتی ہیں اور اس کے اندرونی حصوں میں پائے جانے والے مائع پر دباؤ ڈالتی ہیں۔ دباؤ کی اس تبدیلی کا پیغام نشر کرنے کے لئے خلیوں کی ایک فوج تیار رہتی ہے اور ان خلیوں سے گزرتی دلکش دھنیں دماغ کے گوشوں میں گونج اٹھتی ہیں۔ اور آپ بے اختیار داد دے اُٹھتے ہیں۔ ان نشریات کے دوران بھی وہی کیمیائی عمل ہوتے جو پچھلی بار ہوتے تھے لیکن یہاں حرکی عصبے خاموش رہے ہاں اگر آپ بے وقت کی راگنی سُن رہے ہوتے تو یہ یقیناً حرکت میں آتے اور آپ کان پرے لے جاتے۔ یہ عمل غیر اختیاری نہیں بلکہ ارادی تھا۔

عصبی خلیوں کا سب سے بڑا نشریاتی جال انسانی جلد پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ خلیے، دباؤ، حرارت کی تبدیلی (کمی وبیشی) خفیف لمس اور کیمیائی تبدیلیوں کے پیغامات کی ترسیل کے لئے ہر لمحہ اپنے ٹرانسمیٹر کھولے رہتے ہیں۔ آپ نے روئی کا گالا اٹھایا۔ اور انھوں نے خبر دی۔ کیبل گاڑتے وقت اچانک ہاتھ پر معمولی ضرب آئی۔ اور یہ خبر لے اُڑے۔ نہانے کے ٹب میں صرف انگلی ڈالنے سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ پانی خاصا گرم ہے ۔ نہالینا چاہیئے۔ تیزاب کی کی بوند گری اور خطرے کی گھنٹیاں بج اٹھیں۔

اور ان سے ملیئے ۔۔! یہ حضرات ناک میں چھپے رہتے ہیں اور اپنے کو دانشور کہتے ہیں۔ کہ گلی سڑی چیزوں کی بُو انہیں ناپسند ہے۔ برا سا منہ بنائے دماغ کو پیغام بھجوائیں گے کہ یہاں کہاں لاڈالا۔ خدا کے واسطے اس گٹر کو بند کرو۔ یا ہمیں کہیں لے چلو اور کُتّے کے ناک میں پائے جانے والے اسی قسم کے خلیوں کا یہ عالم ہے کہ

اپنی تو جہاں آنکھ لڑی پھر وہیں دیکھو

خوشبو سونگھ لی ایک بار تو پاتال سے بھی لے آئیں گے کوئی ننھا سا جرثومہ اگر کبھی پناہ لینے آجائے تو یہ حضرات بڑی بے دردی سے چھینک مار کر اسے بھگا دیں گے۔

مگر مت بھولیئے کہ یہ معطر خلیے بھی بڑے کام کے ہیں۔ آپ بہت سی مہلک اور مفید اشیاء کو محض ان کی مخصوص خوشبو ہی سے پہچانتے ہیں۔ ہر لمحہ سانس کی آمد و رفت کا احساس بھی یہی دلاتے ہیں۔ بلکہ یوں کہیئے کہ زندگی کا احساس انہی کے دم سے ہے۔

اور اب آخر میں ملیئے ان حضرات سے۔ جو ہر لمحہ دعوتِ شیراز اڑاتے ہیں۔ جن کی پانچوں گھی میں اور سر کڑھائی میں رہتا ہے۔ آپ حضرات زبان کے مختلف گوشوں میں چھپے رہتے ہیں۔ اور ہر اچھی کھانے والی چیز پر جھپٹتے ہیں۔ یہ ایک طور سے آپ کے منہ کے فوڈ کنٹرولر ہیں۔ آپ کو بتاتے رہیں گے۔ کہ یہ کھائیے۔ یہ مت کھائیے۔ زبان کا اگلا حصّہ میٹھی اور نمکین چیزوں ۔ زبان کی اطراف کھٹی اشیاء اور زبان کا پچھلا حصّہ کڑوی اشیاء کے ذائقہ کے لئے حساس ہے۔ اگلا حصّہ "واہ واہ" ہے

اور یہ حصہ "آخر چکھو" ہے۔

زبان میں مخصوص بافتیں (Taste Buds) پائی جاتی ہیں۔ ان کے درمیان یہ خلیے لڈو، برفی اور کونین کی گولی سبھی کے منتظر رہتے ہیں۔ لعاب دہن اور خوراک کا باہمی تعامل انہیں احساس کے لئے کافی ہے۔ اور یوں یہ پیغام دماغ تک پہنچاتے ہیں۔ یہ اب آپ پر منحصر ہے کہ آپ چاہئے میں شکر کم پئیں یا زیادہ ؟

تو یہ تھے ہمارے جسم کے پیغام رساں ہوبات دانا جسم کے! ہر اور جسم کے اندر وہ عصبی خلیے جو مختلف کیمیائی مادوں کے تناسب، حرارت، غریزی، داعین کا اخراج، قلب کا فعل، عمل تنفس، عمل اخراج، عمل انہضام وغیرہ وغیرہ پر نظر رکھتے ہیں) اچھی بری سبھی خبروں کی ترسیل میں مصروف رہتے ہیں۔ یہ تمام خلیے منفرد کام انجام دیتے ہیں۔ مگر ان کے یہ افعال باہمی امن وشانتی کے معاہدہ پر مبنی ہیں۔ اور اس میں سب کی عافیت ہوتی ہے۔ دماغ ان کے بغیر بے کار اور یہ اس کے بغیر!

ہمارے جسم کا مواصلاتی نظام قدرت کا حیرت انگیز کرشمہ ہے جسے موجودہ سائنس نہ تو اب تک پورے طور سے سمجھ سکی ہے اور نہ ہی اس کی نقل میں کوئی مشینی نظام تیار کرسکی ہے۔

اپنی فطرت کی ہمنوائی کر

ہر دو عالم میں دلربائی کر

احمدی ہے تو بدرِ کامل بن	خضر و موسیٰ کی رہنمائی کر
ہر سکندر رہے ترا محتاج	ایسے دلبر سے آشنائی کر
خواب غفلت سے جاگ اے مسلم	تازہ پھر رسم کربلائی کر
پیروی کر رسولِ عربی کی	نسلِ آدم کی پیشوائی کر
چاہیئے تجھ کو عمرِ خضر اگر	عیب پوشی و حق نمائی کر

کوئی دیوانہ سو رہا ہے تو کیا

جاگ اے دل اور اشک زائی کر

محمد [illegible]

صحیح جواب دیں

مجد ھاف! ذیل میں ہم عام معلومات کے سوالات درج کرتے ہیں۔ آپ جواب دینے کے لئے قلم اور کاغذ سنبھال لیں۔ سوال پڑھیں اور جواب لکھیں۔ ہر سوال کا ایک نمبر ہے۔ یعنی کل ۲۵ نمبر ہیں۔ ۲۲ سے ۲۵ نمبر حاصل کرنیوالے خدام کی عام معلومات اچھی ہیں۔ ۱۵ سے ۲۱ تک نمبر حاصل کرنے والے خدام کی عام معلومات درمیانہ درجہ کی ہوں گی۔ ۱۵ نمبر سے کم حاصل کرنے والے خدام کو اپنی معلومات بڑھانی چاہئیں :

۱۔ مسلم لیگ کو متحدہ ہندوستان میں کب اور کہاں منظم کیا گیا (۲) پہلی تقسیم بنگال کب ہوئی ؟ (۳) قرار دادِ پاکستان کب اور کہاں منظور ہوئی۔ (۴) منصوبہ بندی کمیشن کے چیئرمین اور ڈپٹی چیئرمین کون ہیں۔ (۵) واپڈا کس کا مخفف ہے۔ (۶) نومنتخب امریکی صدر و نائب صدر کے نام کیا ہیں۔ اور وہ اپنے عہدوں کا حلف کس تاریخ کو اٹھائیں گے ؟ (۷) حالیہ امریکی صدارتی انتخاب میں آزاد امیدوار کا کیا نام تھا ؟ (۸) برطانوی وزیر خارجہ کا نام کیا ہے ؟ (۹) پاکستان کے مرکزی وزیر تعلیم کا نام تحریر کریں۔ (۱۰) فرانسیسی وزیر اعظم کا نام بتائیں۔ (۱۱) پاکستان کن دفاعی معاہدوں میں شریک ہے۔ (۱۲) آر۔ سی۔ ڈی۔ سی کا کیا مطلب ہے اور اس ادارہ کے سیکرٹری کون ہیں ؟ (۱۳) اقوام متحدہ میں پاکستان کے مستقل نمائندہ کون ہیں ؟ (۱۴) بلند ترین پہاڑ کا نام اور بلندی لکھیں ؟

(۱۵) سال کا طویل ترین دن کس تاریخ کو آتا ہے۔ (۱۶) دورِ جدید میں اولمپک کھیلوں کا احیاء کب ہوا ؟ (۱۷) یونیسکو سے کیا مراد ہے ؟ (۱۸) اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے کل کتنے رکن ہیں ؟ (۱۹) پاکستان کی قومی اسمبلی کے کل ارکان کی تعداد۔ (۲۰) کریملن کس مقام کا نام ہے۔

(۲۱) وائٹ ہاؤس کسے کہتے ہیں ؟ (۲۲) امسال قومی باسکٹ بال چیمپئن شپ کہاں اور کب منعقد ہوئی ؟ (۲۳) صدر انجمن احمدیہ کے صدر کون ہیں ؟

(۲۴) تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے موجودہ پرنسپل کون ہیں ؟

(۲۵) مؤلف تاریخ احمدیت کون ہیں ؟

(بشکریہ ڈیپارٹمنٹ آف فزکس و سوکس ٹی۔ آئی کالج ربوہ)

(صحیح جوابات کے لئے دیکھیں صــــ)

اسمٰعیل ساجد ربوہ

ایشیائی ممالک میں معاشی تعاون کے امکانات

یہ زمانہ اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا زمانہ ہے۔ اس لئے خدائی وعدوں کے مطابق دنیا میں قسم قسم کے انقلابات رونما ہو رہے ہیں۔ جن سے اسلام کی دوبارہ زندگی اور تروتازگی کی کرن پھوٹتی نظر آتی ہے۔ اور اس قسم کے حالات بھی پیدا ہو رہے ہیں۔ کہ دنیا کے مختلف ملکوں اور قوموں کے درمیان اتحاد اور تعاون بڑھ رہا ہے اور ایشیائی ممالک میں بھی ایک ایسا طبقہ پیدا ہو چکا ہے۔ جو باہمی اتحاد اور یگانگت کا متمنّی ہے۔ چنانچہ اس زمانہ میں اجتماعیت کا یہ رجحان یقیناً اسلام کے عالمگیر غلبہ کے لئے ایک خوشکن خبر ہے کیونکہ اسلام کی عالمگیر ترقی کے لئے انسانیت کا اجتماع ایک ضروری امر ہے۔ اس مضمون میں اس قسم کے امکانات کا ہی جائزہ لیا گیا ہے ——— (ادارہ)

کچھ عرصہ سے برّاعظم ایشیاء کے پڑھے لکھے طبقہ میں ایشیائی ممالک کے درمیان معاشی تعاون کے امکانات پر غور کیا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یورپ اور امریکہ کے امیر ممالک اپنے جاہ وجلال سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ جن میں سیاسی و معاشی ہر دو فائدے شامل ہیں۔ ایشیاء کے اکثر ممالک فرنگ کی سیاسی قید سے آزاد ہو چکے ہیں۔ تاہم صیاد کے معاشی دام میں گرفتار ہیں اور محسوس کرتے ہیں کہ اس سے رہائی پائے بغیر آزادی مکمل نہیں۔

فرنگی اپنی دولت کی اہمیت کو خوب سمجھتے ہیں انہیں احساس ہے کہ ترقی پذیر ممالک ان سے امداد لینے پر مجبور ہیں۔ وہ غیر ممالک کی غربت سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ترقی پذیر ممالک کو اونچی شرح سود کے قرضے (Hard Loans) دیئے جاتے ہیں۔ ان کو مجبور کیا جاتا ہے۔ کہ وہ مخصوص علاقوں ہی سے درآمد کریں۔ شرحِ تبادلہ (Terms of Trade) غریب ممالک کے روز بروز خلاف ہوتی جا رہی ہیں۔ اُن کی برآمدات پر بھاری ٹیکس لگائے جا رہے ہیں اور یوں ان کی معیشت کو مضبوط ہونے سے روکنے کی کوشش کی جا رہی ہے یورپ کی متحدہ منڈی (E. C. M.) اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

سرمایہ دار ممالک کے جور و ستم سے تنگ آکر غریب ممالک میں نفرت کی لہر دوڑنا قدرتی امر تھا چنانچہ اس بات کی ضرورت محسوس کی جانے لگی۔ کہ غریب ممالک مل کر محاذ قائم کریں۔ اس سلسلہ میں مختلف تجاویز پیش کی جاتی رہیں جن میں سے ایک ایشیائی ممالک کی مشترکہ منڈی کے قیام کی تجویز ہے، یورپ کے بعض معیشت دانوں نے بھی اس خیال کو پسند کیا جن میں سے G. Myrdal پیش پیش ہے ایسی مشترکہ منڈی کے قیام کے لئے بہت سی باتوں پر غور

کرنا ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ معاشیات میں جذبات کا دخل کم اور حقائق کا دخل زیادہ ہوتا ہے۔ (خواہ وہ تلخ ہی کیوں نہ ہوں)۔ چنانچہ اسی بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہم ایشیائی متحدہ منڈی کے قیام کے امکانات کا جائزہ لیتے ہیں۔

کسی متحدہ معاشی منڈی کے قیام کے لئے مندرجہ ذیل امور کا ہونا ازبس لازم ہوا کرتا ہے۔

(۱) سیاسی نظریات اور معاشی نظام (Eco-System) ایک سے ہوں۔

(۲) ایسی منڈی میں شریک ہونے والے ممالک کی زرعی اور صنعتی پیداوار ایک سی نہ ہو۔ اور اُن کی برآمدات و درآمدات ایک دوسرے سے مختلف ہوں۔ تاکہ وہ ایک دوسرے کے مقابل ہونے کی بجائے ممد و معاون ثابت ہوں۔

(۳) صنعتی علوم (Technical Know How) میں بعض ممبر ممالک خاصے ماہر ہوں۔ تاکہ وہ پس ماندہ ممالک کو مدد دے سکیں۔

(۴) منڈی اتنی وسیع ہو، جس میں تمام ملکوں کی فاضل پیداوار بآسانی کھپ سکے۔

ان امور کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہم ایشیائی ممالک میں مشترکہ منڈی کے قیام کے امکانات کا جب جائزہ لیتے ہیں تو مندرجہ ذیل نتائج پر پہنچتے ہیں۔

۱۔ ایشیائی ممالک سیاسی و معاشی طور پر مختلف مکتبہ ہائے فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ کچھ ممالک سوشلزم کے تابع ہیں تو باقی سرمایہ دارانہ نظام کے۔ ایسی صورت میں ان ممالک کا معاشی اتحاد ناقابلِ عمل ہے۔ اس کے برعکس یورپی متحدہ منڈی جس کی نقل میں ایشیائی متحدہ منڈی کی تجویز پیش کی جاتی ہے، کے ممالک سیاسی و معاشی طور پر ایک ہی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں ایشیائی ممالک میں معاشی لحاظ سے مذہب کو بعض اوقات غلط استعمال کیا جاتا ہے۔ مذہب کا اختلاف بھی ان ممالک کے اتحاد میں سنگِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

۲۔ قریبًا تمام ایشیائی ممالک زراعت پر انحصار کرتے ہیں اور اکثر کی پیداوار ایک جیسی ہے۔ مثلاً چین، سیلون، پاکستان، ہندوستان میں چائے کاشت کی جاتی ہے۔ پاکستان، ہندوستان، فلپائن میں پٹ سن، انڈونیشیا، ملایا، سیلون میں ربڑ پیدا ہوتا ہے۔ اور یوں یہ ممالک ان فصلوں میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرتے ہیں۔ چین اور جاپان کے علاوہ سارا ایشیاء صنعتی طور پر پسماندہ ہے۔ اور یہ ہر دو ممالک ایشیاء کی صنعتی ضروریات پورا کرنے سے قاصر ہیں۔

۳۔ سرمایہ کاری (Capital Formation) کا معیار ایشیاء کے تمام ممالک میں (جاپان اور چین کے سوا) بہت پست ہے۔ جبکہ تمام ایشیائی ممالک جلد از جلد ترقی کرنا چاہتے ہیں۔ جس کے لئے انہیں بیرونی امداد کی ضرورت ہے۔ اگر ایشیاء کے ممالک باہمی اشتراک کر لیں۔ تو لازمًا انہیں یورپی ممالک سے امداد ملنی کم ہو جائے گی۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے ایشیائی ممالک کے وسائل بہت محدود ہیں۔

۴۔ ایشیائی ممالک میں وسائل آمد و رفت اور پیغام رسانی (Infra-structure) بہت ناقص ہے۔ ایک ملک کے اندر ہی مناسب طریق میں نقل و حمل کے وسائل عمدہ نہیں۔ ایسے حالات میں غیر ممالک کے ساتھ تعاون کو بطریق احسن جاری رکھنا

ناممکن ہے۔

۵۔ صنعتی علوم (Technical Know How)
میں چین اور جاپان کے علاوہ تمام ایشیائی ممالک بہت پس ماندہ ہیں۔ باہمی مدد کے امکانات بہت محدود ہیں۔ چین اور جاپان بھی براعظم کے تمام ممالک کی ضروریات کو پورا کرنے سے قاصر ہیں۔

۶۔ ترقی پذیر ممالک جلد از جلد تمام ضروری صنعتوں میں خودکفیل ہونا چاہتے ہیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے انہیں اپنے ملک میں مختلف صنعتوں کو ترقی دینے کی غرض سے بیرونی مقابلہ سے تحفظ (Tariff) کی ضرورت پیش آتی ہے۔ کیونکہ نئی صنعتیں اس قابل نہیں ہوتیں کہ بیرونی ممالک کی مصنوعات کا مقابلہ کرسکیں۔ اگر ایشیائی متحدہ منڈی بن جائے۔ تو ممبر ممالک کے لئے ممکن نہیں کہ وہ ایک دوسرے کے خلاف تحفظ (Tariff) استعمال کرسکیں اس صورت میں بعض ممالک کی صنعتیں دوسرے ممالک کی صنعتوں کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہوں گی۔ اور یوں خودکفیل ہونے کی خواہش شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکے گی۔ مثلاً اگر ایشیا مشترکہ منڈی بنائی جائے تو پاکستان کی چینی کی صنعت کے لئے ممکن نہیں کہ وہ انڈونیشیا کا مقابلہ کرسکے۔ کپڑے کی صنعت میں بھی پاکستان کے لئے ناممکن ہے کہ وہ ہندوستان اور جاپان کا مقابلہ کرسکے۔ ایسی صورت میں ممبر ممالک کی مختلف صنعتوں اور روزگار کے معیار پر بُرا اثر پڑے گا جسے وہ ابھی برداشت کرنے کے قابل نہیں۔

ان وجوہات کی بناء پر یہ کہنا مناسب ہے کہ ابھی ایشیاء کے لئے متحدہ منڈی کے قیام کا مناسب وقت نہیں آیا۔ یا بزبانِ شاعر ؎

"نالہ ہے بلبلِ شوریدہ ترا خام ابھی
اپنے سینہ میں اسے اور ذرا تھام ابھی"

براعظم کے ممالک کے لئے مناسب ہے۔ کہ وہ علاقائی تعاون (Regional Co-operation) پر زیادہ زور دیں، جیسا کہ پاکستان، ترکی، اور ایران کے درمیان R.C.D. کے نام سے ایسا تعاون ہو رہا ہے ؛

وہی محسنِ حقیقی ہے جس نے وفاداری سے ایمان لانے والوں کو ہمیشہ کی رستگاری کی خوشخبری دی۔ اور اپنے صادق عارفوں اور سچے محبوں کے لئے اس جنّتِ دائمی کا وعدہ دیا جو بدرجۂ اکمل و اتم مظہر العجائب ہے جس کی نہریں اس دنیوی حیات میں جوش مارنا شروع کرتی ہیں۔ جس کے درخت اس جگہ کی آب پاشی سے نشوونما پاتے جاتے ہیں۔

(سرمہ چشم آریہ)

حضرت قاضی محمد ظہور الدین اکمل

ایک عربی نظم کا ترجمہ

(لیت ایام المواضی تعود)

اے مرے پیارے زمانے یاد کرتا ہوں تجھے — بارشیں رحمت کی تیرے عہد میں ہوتی رہیں
موجب صد بہجت و امن و اماں میرے لئے — ہائے وہ آنکھوں کی ٹھنڈک اب کہیں پاتا نہیں
ہاں تصور میں گر آئے اتفاقِ وقت سے — جز غم و اندوہ و حسرت اور کچھ ملتا نہیں

ہائے ایامِ گزشتہ واپس آجاتے کہیں

وہ بھی کیا خوش وقت تھا جبکہ میں بچہ تھا ابھی — اور صبح و شام اٹھائے پھرتے مجھ کو والدین
ان کے ہر اک کام میں مضمر تھی بس میری خوشی — گویا میں اک شاہ تھا ان کیلئے بے ننگ و شین
یہ مبارک وقت گذرا۔ سب خوشی جاتی رہی — اور میں اب خون روتا ہوں یہاں کر کر کے بین

ہائے ایامِ گزشتہ واپس آجاتے کہیں!

میں نے جب بچپن میں پہلے پہلے سیکھا بولنا — ابا ابا کہنے کو سمجھے وہ اک شاہی عطا
اور جب اماں کہا میں نے تو بولے مرحبا — کُل مرادیں ہوگئیں حاصل ہماری حبذا
یہ زمانہ برق کی مانند غائب ہوگیا — بلبلِ دل ہے گلِ طفلی پہ یوں نغمہ سرا

ہائے ایامِ گزشتہ واپس آجاتے کہیں

ہائے بچپن مثلِ شاہاں چاند سا مکھڑا مرا — اور دل ہر گندگی سے پاک رہتا تھا سدا
میں نہ جانوں موت کے شربت کا کیا ہے ذائقہ — اور نہ تھا خطرہ مجھے شیطان کے وسواس کا
کوئی بدخصلت نہ تھی۔ بولا نہ تھا کلمہ بُرا — پاکبازی کا زمانہ ہاتھ سے جاتا رہا

ہائے ایامِ گزشتہ واپس آجائیں کہیں

وہ کھلونے میرے پیارے پیارے سچے دوست تھے — ہم میں مطلق کوئی رنجش ہوتے باقی ہی نہ تھی
اُنس ایسا بڑھ گیا وہ میرے بھائی بن گئے — بلکہ اپنے بھائیوں سے بھی محبت بڑھ گئی۔
ان کی فرقت خون رُلواتی ہے روز و شب مجھے — اس لئے آواز نکلے نغمۂ کروان سی

ہائے ایامِ گزشتہ واپس آجاتے کہیں

ہائے بچپن نے سواری کا وہ پیارا مشغلہ — چڑھ کے گھوڑے پر وہ اپنے صحن میں دوڑنا
یہ سمجھنا میرے تابعدار ہیں سب جابجا — اور میں ہوں فاتح کشور سوارِ دلربا
وہ زمانہ۔ ہائے وہ پیارا زمانہ کیا ہُوا؟ — کو بکو۔ کو کو کروں۔ مانند قمری شتاب

ہائے ایامِ گزشتہ واپس آجائیں کہیں

(باقی)

جُنید ہاشمی

سلطنت یہودیہ کے آخری ایام

تقریباً ڈیڑھ سو سال قبل مسیح کا ذکر ہے کہ سائمن مقابی نے پارتھیا، سلوکسی، مصری اور رومن بادشاہوں کے درمیان روزمرہ کی لڑائیوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ملک یہودیہ کو ایک الگ آزاد علاقے کی حیثیت سے قائم کیا۔ اس طرح عام یہودی لوگوں کی مجلس نے سائمن مقابی کو نہ صرف اپنا جرنیل ہی چنا۔ بلکہ "مملکتِ متحدہ یہودیہ ثانی" کا کاہن اعظم بھی تسلیم کر لیا۔ سائمن مقابی نے اپنی قدرتی ذہانت اور سازشوں کے بل بوتے پر حسموتیہ خاندان کی بنا ڈالی۔ اور اس طرح یہ خاندان صدیوں تک یہودیوں میں ملکی امور اور مذہبی دستور کی راہنمائی کرتا رہا۔ اس خاندان میں سے بڑے بڑے مذہبی بادشاہ اور کاہن پیدا ہوئے اور سامی جماعتوں میں یہ روایت دیر تک چلتی رہی کہ ان کا بادشاہ نہ صرف یہ کہ سیاسی و ملکی قیادت ہی کرتا ہے بلکہ مذہبی و روحانی سیادت بھی اسی کے حصہ میں آئی ہے حسمونیوں نے اس چھوٹی سی مملکت کو کمزور دیکھتے ہوئے حکمت عملی اور طاقت کے زور پر اسکی سرحدوں کو وسیع کر لیا یہانتک کہ ۸۰ ق م تک انہوں نے سماریہ، ایدوم، موآب، گلیل، ایدومیا، ماوراءالنہر۔ گدارہ۔ پیلا، رافعیہ اور غزہ جیسے مشہور شہر فتح کر کے اپنی مملکت میں شامل کر لئے اب یہ سلطنت اتنی وسیع ہو چکی تھی جتنا کہ حضرت سلیمانؑ کا ملک تھا۔ اسکے بعد حسمونیوں نے تلوار کی نوک کے بل بوتے پر اپنی نئی رعایا کو یہودیت اور ختنہ کی رسومات منوائیں۔ لیکن حضرت موسیٰؑ کی لائی ہوئی شریعت اور صحیح مذہبی تعلیم کو بھول گئے۔ بلکہ فریسیوں کے اثر کو زیادہ تر قبول کر لیا۔ جو یونانی رسم و رواج کے قائل تھے ملکہ سلومی الیگزنڈرا (۷۰-۸۰ قبل مسیح) نے اس رجحان کا اگرچہ مقابلہ کیا۔ لیکن دوسری طرف فریسیوں سے صلح رکھی ملکہ سلومی کی موت سے قبل ہی اسکے بیٹوں ہرقانس II اور ارسطوبلس II کے درمیان جانشینی کی جنگ شروع ہو گئی۔ دونوں نے مشہور رومن جرنیل پومپئی کے سامنے اپنا اپنا حق ثابت کرنے کیلئے دعویٰ پیش کر دیا۔ اُدھر پومپئی خود ایک فاتح جرنیل کی حیثیت سے اپنی فوج کو لیکر دمشق کے دروازوں پر دستک دے رہا تھا۔ پومپئی نے ہرقانس کے حق میں فیصلہ دیدیا۔ جسے سنکر ارسطوبلس نے یروشلم کے اندر قلعہ بندی کر لی۔ پومپئی ہرقانس کی مدد کو آیا اور یروشلم کا محاصرہ کر لیا۔ ارسطوبلس نے ہیکل کی مضبوط درو دیوار کے اندر پناہ لے رکھی تھی۔ اسلئے یہ محاصرہ برابر تین ماہ تک قائم رہا۔ یہ محاصرہ سبت کے دن ٹوٹ گیا۔ کیونکہ قلعہ بند یہودیوں نے سبت کی تقدیس کی وجہ سے لڑائی بند کر دی تھی۔ اور ادھر پومپئی نے عین اسی روز قلعہ شکن مینڈھوں اور سیڑھیوں کی مدد سے شہر کی فصیل کو توڑ ڈالا۔ رومیوں نے قلعہ کے اندر داخل ہو کر بارہ ہزار یہودیوں کو تہ تیغ کر دیا۔ چونکہ کسی یہودی نے ہتھیار نہیں ڈالے اسلئے باقیوں کو دیوار پر سے پھینک کر مار دیا گیا۔ پومپئی نے ہیکل کی دولت کے علاوہ ایک خطیر رقم بطور تاوان وصول کی اور اس طرح حسمونیوں کا ملک سلطنت روما میں شامل کر لیا گیا۔ البتہ اب ہرقانس II کو کاہن اعظم اور یہودیہ کا بادشاہ بنا دیا گیا لیکن اسکی حیثیت اب سلطنت روما کے اندر ملک شام کے ایک صوبہ کی رہ گئی تھی۔ اسکے بعد ۵۴ ق م میں کراسس نے بھی یروشلم کے بچے کھچے خزانے کو لوٹا اور پھر انٹیگنس کو اپنا جانشین مقرر کیا جس نے تیس ہزار یہودیوں کو غلام بنا کر بیچ دیا۔ (۴۳ ق م) ادھر ایک رومی جرنیل پارتھیا نے صحرا عبور کر کے انٹی غونس آخری حسمونی کو کٹھ پتلی بادشاہ نامزد کر دیا لیکن روما کے انطونی اور اکٹیویا نے ہیرود کو جو انٹی پیٹرس اندومین کا بیٹا تھا۔ بادشاہ نامزد کیا۔ یہی ہیرود رومی بادشاہ ہے جس کے زمانہ میں حضرت مسیح ناصری پیدا ہوئے لیکن سلطنت روما کی مرکزی حکومت تنزل پذیر ہو چکی تھی۔ اسلئے یہودی کاہنوں کی مجلس یروشلم اور اس کے گرد و نواح میں مذہبی جزا و سزا کی آڑ لیکر من مانی کارروائیاں کرتی تھی۔ گویا کہ سلطنت روما کا سکہ چلتا تھا۔ لیکن عوام الناس کے عقائد و مراسم کی باگ ڈور چند کاہنوں اور مذہبی جنونیوں کے ہاتھ میں تھی۔ (باقی پھر)

محمد صدیق امرتسری ربوہ

روتے ہوؤں کو آپ ہنسا کر دکھائیے

دنیا سے کفر و شرک مٹا کر دکھائیے
بھٹکے ہوؤں کو راہ پہ لا کر دکھائیے

بچھڑے ہوئے دلوں کو ملا کر دکھائیے
اُجڑے ہوئے گھروں کو بسا کر دکھائیے

گر احمدی ہیں آپ تو اس کے ثبوت ہیں
انوارِ دین کے دہر پہ چھا کر دکھائیے

القصہ اپنی سعیٔ مسلسل سے آپ بھی
اپنا نصیبِ خفتہ جگا کر دکھائیے

منظور ہے حصولِ رضائے خدا اگر
تبلیغ کے لیے کہیں جا کر دکھائیے

ہمت ہے گر تو شمعیں محمدؐ کے نور کی
پھر چار سُو جہاں میں جلا کر دکھائیے

لائے ہیں جو خزانے مسیحِ محمدی
دنیا میں ہر طرف وہ لٹا کر دکھائیے

گھر بیٹھکر جہاد کی تلقین ہے فضول
باطل پہ سیف اپنی چلا کر دکھائیے

خدمت جو لے رہا ہے خدا ہم سے آپ بھی
اس میں ہمارا ہاتھ بٹا کر دکھائیے

دیتے رہے ہیں کفر کے فتوے تو بے شمار
مسلم بھی اب کسی کو بنا کر دکھائیے

تشنہ لبوں کو ڈھونڈئیے پھر کر نگر نگر
اور جام ان کے منہ سے لگا کر دکھائیے

توفیق ہو تو ظلمتِ شب میں کبھی کبھی
اپنی دعا کے تیر چلا کر دکھائیے

گرتے ہوؤں کو دے کے سہارا اُٹھائیے
مظلوم کی مدد کو بھی آ کر دکھائیے

کرتا کسی پہ ظلم ہو ظالم کہیں اگر
اس فعلِ بد سے اس کو ہٹا کر دکھائیے

مارے ہوئے ہیں جو غم و اندوہ کے اُنہیں
نغمے مسرتوں کے سنا کر دکھائیے

خوبی نہیں ہے چلتی مشینوں کو روکنا
رُکتی ہوئی مشین چلا کر دکھائیے

کانٹے کسی کی رہ میں بچھانا گناہ ہے
کانٹوں کو راستے سے ہٹا کر دکھائیے

اِترائیے کبھی نہ کہیں پھوٹ ڈال کر
آپس کے اختلاف مٹا کر دکھائیے

جلتے ہوئے چراغ بجھانا نہیں کمال
بجھتے ہوئے چراغ جلا کر دکھائیے

ہنستے ہوئے دلوں کو رُلانا تو عیب ہے
روتے ہوؤں کو آپ ہنسا کر دکھائیے

کِھلتے ہوئے گلوں کو مسلنا نہیں درست
جو بن کِھلے ہیں ان کو کِھلا کر دکھائیے

اپنے عیوب و دوش کی اصلاح کیجئے
اور دوسروں کے عیب چھپا کر دکھائیے

اپنوں پہ مہر و لطف تو اک رسمِ عام ہے
غیروں کو آپ اپنا بنا کر دکھائیے

مانا کہ روٹھنے میں ہیں صدیق طاق آپ
روٹھے ہوؤں کو بھی تو منا کر دکھائیے

منور شمیم خالد ایم۔ اے مہتمم تحریک جدید

مہتممین آپ سے مخاطب ہیں

تحریک جدید کا سالِ نو اور خدام الاحمدیہ کی نئی ذمہ داریاں

احمدی نوجوان آگے بڑھیں! اور دفتر سوم کے مجاہدین کی تعداد پانچ ہزار تک بڑھائیں!

انیسویں صدی کے نصف آخر کا زمانہ تھا۔ اور عیسائیت کا دم بھرنے والے ملک دنیا کے بیشتر حصوں میں سیاسی غلبہ کے ساتھ مذہبی تسلط کے حصول کے لئے ہر قسم کے ساز و سامان سے لیس ہزاروں کی تعداد میں عیسائی مناد دنیا کے چاروں کونوں میں مسلسل بھیج رہے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ بس اب چند روز کی بات ہے عیسائیت ساری دنیا پر غالب آجائیگی۔ لیکن خدا کی تقدیر کسی اور رخ کام کر رہی تھی۔ اسلام جو کہ خود اسلام کا نام لیواؤں کی اپنی غفلت و کمزوری اور ناعاقبت اندیشی کے باعث بظاہر اس مقابلہ میں آخری سانس لیتا نظر آرہا تھا۔ مسلمانوں کی اس مایوس کن حالت میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ہندوستان کی ایک غیر معروف بستی میں مبعوث فرمایا۔ اور آپ کو ادیانِ باطلہ کے خلاف خاص طور پر عیسائیت کے خلاف کہ وہ سیاسی غلبہ کے سہارے ساری دنیا میں اپنے مذہبی غلبہ کا خواب دیکھ رہی تھی۔ عظیم الشان دلائل، زبردست براہین اور ایسے ایسے خارق عادت معجزات و نشانات عطا کئے کہ جن کے سامنے دنیائے عیسائیت بوکھلا اٹھی کہاں تو جارحانہ عزائم اور کہاں کہ پسپائی پر مجبور ہوگئی حضور علیہ السلام کی بعثت نے اسلام اور اہل اسلام کو حوصلہ، قوت و توانائی بخشی۔ مسلمانوں کو اپنی حقیقت اپنی انفرادیت اور اپنی عظمت کا احساس ہوا۔ اس کے ساتھ ہی اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا حیات آفرین دور شروع ہوتا ہے۔ اسلام کی لازوال تعلیم کے فیوض و برکات کو ساری دنیا پر محیط کرنے کی غرض سے اللہ تعالیٰ کی خاص تائید و راہنمائی میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے نومبر ۱۹۳۴ء میں تحریک جدید کی عہد آفرین روحانی مہم کا اجراء فرمایا۔ جس کی بدولت آج کیا یورپ و انگلستان اور کیا امریکہ اور کیا ایشیا و افریقہ ہر کہیں احمدی مبلغین اسلام کی حیات بخش تعلیم سے پیاسی روحوں کو قلب و روح کی تسکین کا سامان بہم پہنچا رہے ہیں۔

یہاں یہ بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ تحریک جدید کے دفتر اول (اجراء ۱۹۳۴ء) کے کل مجاہدین کی تعداد پانچ ہزار تک پہنچی تھی جو اب بتقاضائے الٰہی سوا دو ہزار کے لگ بھگ رہ گئی ہے سالِ گذشتہ کے لئے دفتر اول کا وعدہ

ایک لاکھ پچپن ہزار تھا اس طرح چندہ اوسط فی مجاہد
۶۲ روپے بنتا ہے۔ دفتر دوم (اجراء ۱۹۴۴ء) میں
شامل مجاہدین کی تعداد بیس ہزار سے اوپر ہے
گذشتہ سال کا وعدہ تین لاکھ چون ہزار تھا۔ یعنی
فی کس چندہ کی اوسط ۱۹ روپے بنتی ہے۔ بے شک
ان مجاہدین کی ایسی عظیم الشان مالی قربانیاں رہتی
دنیا تک آنے والی نسلوں کے لئے باعث فخر رہیں گی
اور تحریک جدید کا نظام قیامت تک جاری و ساری
رہ کر اسلام و احمدیت کے نور سے اہل دنیا کے قلوب
و اذہان کو منور کرتا رہے گا۔

اسی سلسلہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث
ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے نئی احمدی نسل کو تحریک
جدید کے مجاہدین کی فوج میں شامل کرنے کے لئے
مورخہ ۲۲ اپریل ۱۹۶۶ء کو "تحریک جدید دفتر سوئم"
کا اجراء فرمایا۔ اور اس طرح نئے احمدیوں اور نئی احمدی
نسل کے لئے حصولِ ثواب کے بیش از بیش مواقع
فراہم فرما دیئے۔ حضور ایدہ اللہ نے دفتر سوئم کا افتتاح
کرتے ہوئے فرمایا:۔

" تمام جماعتوں کو ایک باقاعدہ مہم
کے ذریعہ نوجوانوں، نئے احمدیوں اور
نئے کمانے والوں کو دفتر سوئم میں شمولیت
کے لئے تیار کرنا چاہیئے۔ دوست جانتے
ہیں کہ جہاں ہر سال خدا تعالیٰ کے فضل
سے جماعت بڑھتی ہے اور نئے احمدی
ہوتے ہیں۔ وہاں ہزاروں احمدی ایسے
بھی ہوتے ہیں جو نئے کمانا شروع
کرتے ہیں۔ یہ ہماری نئی پود ہے۔ اور
ان کی تعداد کافی ہے۔ کیونکہ بچے جوان
ہوتے ہیں، تعلیم پاتے ہیں اور پھر کمانا
شروع کرتے ہیں۔ اور باہر سے بھی
ہزاروں کمانے والے احمدیت میں
شامل ہو رہے ہیں۔ اس طرح ہمیں
کافی احمدی مل سکتے ہیں۔ جو دفتر سوئم
میں شامل ہوں۔ ہمارا یہ کام ہے۔
کہ ہم ان کو اس طرف متوجہ کریں تا کہ
وہ عملاً دفتر سوئم میں شامل ہو جائیں"۔
"سوئم نومبر ۱۹۶۵ء سے دفتر سوئم کا اجراء
کیا جاتا ہے"۔ (الفضل ۲۷ اپریل ۱۹۶۶ء)

خدا تعالیٰ کے فضل سے اب دفتر سوئم کا چوتھا
سال شروع ہو چکا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث
ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۲۵ اخاء (اکتوبر ۱۹۶۸ء
۱۳۴۷ہش) کو تحریک جدید کے نئے سال کا اعلان
فرماتے ہوئے احباب جماعت کو جن امور کی طرف خصوصی
طور پر متوجہ کیا ہے۔ وہ یہ ہیں کہ دفتر دوئم کے معیارِ
اخلاص اور دفتر سوئم کے مجاہدین کی تعداد کو بڑھایا
جائے۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا کہ

" دفتر دوئم کی ذمہ داری آج میں انصار
پر ڈالتا ہوں"۔

حضور کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ خدام الاحمدیہ
کے دفتر دوئم کے مجاہدین کو نہ صرف اپنے چندہ کی
شرح میں اضافہ کرنا ہو گا۔ بلکہ دفتر سوئم کے مجاہدین
کی تعداد بڑھا کر اپنے پیارے امام ہمام کی توقعات
پر پورا اترنے کی بھرپور کوشش کرنی ہو گی۔ حضور پرنور
اس تعلق میں ہم احمدی نوجوانوں سے جو توقع رکھتے

ہیں وہ یہ ہے کہ:-

"دفتر دوم کے اخلاص کے معیار کو بڑھانے کی کوشش کریں اور ان کی اوسط کو ۱۹ سے بڑھا کر ۲۰ تک لے جائیں اور آئندہ نسل کے دل میں خدمتِ اسلام اور انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ تیز کریں اور اللہ تعالیٰ ہماری کوشش کو کامیاب کرے تو ان (دفتر سوم کے مجاہدین) کی تعداد تین ہزار سے بڑھ کر پانچ ہزار تک پہنچ جائے گی۔ میرے اندازے کے مطابق تو یہ تعداد بہت بڑھ سکتی ہے لیکن اس زاویۂ نگاہ سے کہ ہماری یہ پہلی کوشش ہوگی میں نے صرف پانچ ہزار تک کہا ہے۔ ویسے اگر جماعتیں کوشش کریں تو اسے آسانی سے دس ہزار تک لے جاسکتی ہیں لیکن اس تعداد کو پانچ ہزار تک تو ضرور لے جانا چاہیئے اور ان کے معیار کی اوسط کو بھی چودہ سے بیس تک کر دینا چاہیئے۔"

(الفضل ۲ر نبوت ۱۳۴۷ ہش)

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے تحریک جدید سال نو کے اس اعلان کے ساتھ تمام احمدی نوجوانوں پر بیش از بیش ذمہ داریاں عاید ہو رہی ہیں۔ ہر خادم کو اپنے ارد گرد اپنے حلقہ احباب میں، اپنے گھر میں اپنے خاندان میں، جہاں کہیں بھی ممکن ہو تمام ایسے اطفال، خدام اور انصار کو جو تحریک جدید میں ابھی تک شامل نہیں ہوئے انہیں دفتر سوم میں شامل ہونے کی تبلیغ و تلقین کرنا ہوگی۔ تاکہ اس دفتر (ثالث) کے مجاہدین کی تعداد حضور کی توقعات کے مطابق نہ صرف پانچ ہزار تک پہنچ جائے بلکہ اس سے بھی آگے نکل جائے۔ نیز جو خدام دفتر دوم میں شامل ہیں انہیں پہلے سے زیادہ وعدہ یا ادائیگی سے اپنے معیارِ اخلاص و قربانی کو بلند کرنے کا ثبوت دینا چاہیئے۔ تبھی ہم اپنے امام ہمام کی توقعات پہ پورے اتر کر خدا تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے وارث بن سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضور کے ارشادات پر پورا اترنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خاکسار تمام قائدین، زعماء اور ناظمین تحریک جدید بلکہ ہر مجلس کے ہر عہدیدار سے دردمندانہ درخواست کرتا ہے۔ کہ تحریک جدید کا نیا سال اپنے جلو میں جو نئی ذمہ داریاں ہمارے اوپر عاید کر رہا ہے۔ ان کا احساس اپنے دوستوں اپنے بزرگوں اپنے بھائیوں اور تمام چھوٹے بڑے بچوں اور عزیزوں میں پیدا کیجئے۔ کیونکہ اسلام و احمدیت کی ساری دنیا میں تبلیغ و اشاعت کی تحریک، (تحریک جدید) کے مجاہدین میں شامل ہو کر اسلام کی آخری فتح کو قریب تر لانا ہر احمدی کا فرض ہے۔ آئیں! اور اپنے اپنے حلقۂ اثر میں یہ احساس عام کریں کہ آج اسلام آپ سے بڑھ چڑھ کر مالی قربانیوں کا مطالبہ کر رہا ہے۔ یقین کیجئے کہ آج ہمیں ایسے مواقع حاصل ہو رہے ہیں، جو ہمارے بعد آنے والوں کو میسر نہیں آئیں گے۔ آئیے اپنے عمل سے تاریخ احمدیت میں ایک اور سنہری باب کا اضافہ کریں اور ثابت کر دکھائیں کہ احمدیت کی نئی نسل اپنے قابلِ رشک پیشرو مجاہدین سے کسی طور بھی پیچھے نہیں۔ آئیے نہ صرف خود بلکہ دوسروں کو بھی تحریک جدید میں شامل کریں تاکہ اسلام کا پرچم ساری دنیا میں بلند شان سے لہلہاتا خود اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ آمین ثم آمین!

۱۔ ۳۰ر دسمبر سنہ ۱۹۰۶ء بمقام ڈھاکہ۔

۲۔ سنہ ۱۹۰۵ء۔

۳۔ ۲۳ر مارچ سنہ ۱۹۴۰ء بمقام لاہور

۴۔ صدر مملکت جناب فیلڈ مارشل محمد ایوب خان صاحب چیئرمین اور جناب صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب ڈپٹی چیئرمین۔

۵۔ واٹر اینڈ پاور ڈیولپمنٹ اتھارٹی (پانی اور طاقت کا ترقیاتی ادارہ)

۶۔ رچرڈ نکسن اور اگینیو جو ۲۰ر جنوری سنہ ۱۹۶۹ء کو حلف اٹھائیں گے۔

۸۔ جارج ویلس۔

۹۔ جناب قاضی انوار الحق صاحب

۱۰۔ مورالیس کوڈی مرویل۔

۱۱۔ سیٹو سینٹو۔

۱۲۔ پاکستان، ترکی، ایران پر مشتمل ادارہ ریجنل کوآپریشن فار ڈیولپمنٹ جس کے سیکرٹری پاکستان کے مسرت حسین زبیری ہیں۔

۱۳۔ جناب آغا شاہی۔

۱۴۔ ماؤنٹ ایورسٹ بلندی ۲۹۱۴۱ فٹ۔

۱۵۔ ۲۱ر جون۔

۱۶۔ سنہ ۱۸۹۶ء

۱۷۔ یونائیٹڈ نیشنز ایجوکیشنل اینڈ سائنٹفک اینڈ کلچرل آرگنائزیشن۔

۱۸۔ ۱۵۔ ارکان۔ ۵ مستقل (امریکہ۔ برطانیہ۔ روس۔ فرانس اور نیشنلسٹ چین (فارموسا) اور ۱۰ غیر مستقل ارکان۔

۱۹۔ ۱۲۶۔ ارکان۔

۲۰۔ ماسکو میں جہاں روسی حکومت کے دفاتر ہیں۔

۲۱۔ امریکی صدر کی سرکاری رہائش گاہ۔

۲۲۔ ربوہ میں ۱۰ر نومبر سنہ ۱۹۶۸ء سے لے کر ۱۶ر نومبر سنہ ۱۹۶۸ء تک۔

۲۳۔ جناب حضرت مولوی محمد دین صاحب سابق مبلغ امریکہ۔

۲۴۔ جناب قاضی محمد اسلم صاحب ایم۔ اے (کینٹب)

۲۵۔ جناب مولوی دوست محمد صاحب شاہد:

(بشکریہ ڈیپارٹمنٹ آف سوکس تعلیم الاسلام کالج ربوہ

حضرت المصلح الموعودؓ کا ایک انوکھا عید کارڈ

آپ بھی ایسے ہی عید کارڈ بھیجا کریں

(از ڈاکٹر محمد احمد صاحب ابن حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خانصاحبؓ - ربوہ)

۱۹۲۰ء کے موسم گرما میں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ ڈلہوزی تشریف لے گئے تھے۔ اثنائے قیام میں عید الاضحیٰ کا دن بھی آگیا۔ حضورؓ نے یہ ارشاد فرمایا کہ نمازِ ظہر کے بعد شہر سے باہر چلیں گے۔ چنانچہ اہل قافلہ میں سے بعض کے ہمراہ بکروٹا پہاڑی پر تشریف لے گئے۔

ایک علیحدہ مقام پر پہنچکر حضورؓ نے دو۔ دو رکعت نوافل باجماعت ادا فرمائے۔ جو قرأت بالجہر کے ساتھ ڈیڑھ گھنٹہ میں ادا کئے گئے۔ اس کے بعد آپ کھڑے ہوئے اور فرمایا:۔

"لوگوں نے بھی پیسہ خرچ کرکے کچھ عید کارڈ بھیجے تھے۔ ہم نے بھی آج عید کارڈ بھیجے ہیں۔ اور وہ یہ کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر خوب ہی درود پڑھ کر دعا کی ہے۔ کہ ان کو اور ان کے خلفاء کو اور تمام اولیائے اُمت کو اور تمام پچھلے انبیاء کو (حضور کی طرف سے، متقدیوں (حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خانصاحبؓ، حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحبؓ، محترم خلیفہ تقی الدین صاحب محترم سید محمود اللہ شاہ صاحب، محترم نیک محمد خانصاحب عبدالاحد صاحب، عبدالقادر صاحب اور حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد) اور ان ساتھیوں کی طرف سے جو پیچھے کوٹھی پر رہ گئے تھے۔ سب کی طرف سے تحفۂ عید پہنچایا جائے۔ اور تحفہ وہ ہو جو اللہ تعالیٰ مناسب اور بہتر سمجھے"

اس کے بعد فرمایا کہ یہ دعا بھی بہت حد تک مختصر کرنی پڑی ہے کیونکہ وقت زیادہ ہوگیا تھا۔ اس کے بعد حضور نے ارشاد فرمایا کہ کوئی علیحدہ جگہ تلاش کی جائے مگر باوجود تلاشِ بسیار ایسی کوئی جگہ نہ مل سکی۔ اس پر فرمایا کہ اچھا چلو راستہ میں ہی دعا کرتے جائیں گے۔ چنانچہ اس طرح چلتے چلتے دعائیں کرتے ہوئے حضورؓ اپنی قیام گاہ پر واپس تشریف لے آئے۔

میرے والد حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خانصاحبؓ بیان فرمایا کرتے تھے کہ یہ نماز نوافل اس قدر طویل تھی کہ بعض کمزوروں کو نیند کا جھونکا آجاتا تھا۔ مگر حضورؓ نے بڑے عزم کے ساتھ باوجود کمزور ہونے کے دعا کا حق ادا کیا۔

حضورؓ کے اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عید کارڈ بھیجنے کا موجودہ طریق درست نہیں ہے۔ بلکہ بعد میں حضورؓ نے باقاعدہ طور پر اسے فضول خرچی قرار دے کر اس کے امتناع کا حکم جاری فرما دیا تھا۔ پس بہترین عید کارڈ وہی ہے جو حضرت المصلح الموعودؓ نے پسند فرمایا۔ ہمیں بھی اسی طریق کو اپنانا چاہیئے۔ خدا تعالیٰ ہمیں اسکی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

لائلپور کے اہم صنعتی مرکز میں

چارسوتی سنگل اور ڈبل کا واحد مرکز

جہیزوں میں دینے کے لئے

عمدہ۔ عمدہ سیٹ بستر۔ پکے رنگ کی دریاں۔ مجنوں کھیس۔ مخملی جانماز مخملی گدیاں اور ڈبل پلنگ کی چادریں ہر قسم مکانوں۔ کوٹھیوں اور دفتروں کی آرائش اور زیبائش کیلئے نئے نئے ڈیزائنوں میں پردہ کلاتھ۔ صوفہ کلاتھ سوتی و گرم فرشی دریاں۔ سفید دوسوتی کی چادریں ہر قسم نیز کاروں۔ سکوٹروں کی گدیوں کا کپڑا۔ جھاڑن۔ نیپکین۔ ٹیبل کلاتھ۔ تکیئے۔ تولیئے وغیرہ خریدنے کیلئے

"وسیم ٹیپسٹری ہاؤس"

چوک گھنٹہ گھر امین پور بازار لائلپور تشریف لاکر مشکور فرمادیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرہ نسب

محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصیّ بن کلاب بن مُرّۃ بن کعب بن لوئیؔ بن غالب بن فہر (جس کا لقب قریش تھا) بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مُدرکہ بن الیاس بن مُضر بن نزار بن مسعد بن عدنان۔

اس سے اوپر حضرت اسمٰعیلؑ تک کے آباء و اجداد کے نام میں اختلاف ہے۔ پھر قیدار بن اسمٰعیلؑ بن ابراہیمؑ۔

(خاکسار غلام احمد)

قرآن کریم میں درج شدہ انبیاء کرام بلحاظ ترتیب زمانہ

آدمؑ[۱] - ادریسؑ[۲] - نوحؑ[۳] - ہودؑ[۴] - صالحؑ[۵] - ابراہیمؑ[۶] - لوطؑ[۷] - اسماعیلؑ[۸] - اسحاقؑ[۹] - یعقوبؑ[۱۰] - یوسفؑ[۱۱] - ایوبؑ[۱۲] - شعیبؑ[۱۳] - یونسؑ[۱۴] - موسیٰؑ[۱۵] - ہارونؑ[۱۶] - داؤدؑ[۱۷] - سلیمانؑ[۱۸] - الیاسؑ[۱۹] - الیسعؑ[۲۰] - عزیرؑ[۲۱] - ذوالکفلؑ[۲۲] - زکریاؑ[۲۳] یحییٰؑ[۲۴] عیسیٰؑ[۲۵] محمد[۲۶] صلی اللہ علیہ وسلم

جن کے متعلق اختلاف ہے کہ وہ نبی تھے یا صرف مقربان الٰہی

ذوالقرنین[۱] - لقمان[۲]۔

جن نبیوں کا ذکر اشارۃً قرآن میں آیا۔

سموئیلؑ[۱] - حزقیل[۲] علیہم السلام۔

(خاکسار غلام احمد)

حکیم سید عبد الہادی۔ بہاری

غمِ حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ

آج کس کے غم میں ہے ہر چشم سے آنسو رواں
گلشنِ ملت میں ہے وہ کونسا روحِ رواں

کون تھا سینہ سپر ہر رزم میں مثلِ جواں
کون رکھتا درد تھا ملت کا سینے میں نہاں

کس نے کی سارے جہاں میں قوم ہی کی رہبری
کس نے کی ادیان پر اسلام کی ہی برتری

جبکہ تھا ملکانہ میں شدھیوں کا زور و شور
حکم سے کس کے ہوئی واں مسلموں کی رہبری

ڈوبنے کو تھا سفینہ ہر جگہ اسلام کا
اس سفینے کا یہی اک ناخدا ثابت ہوا

جس کے دم سے ہر طرف تھی روشنی پھیلی ہوئی
ظلمتِ تثلیث میں شمع فروزاں ہو گئی

مرکزِ تثلیث بھی اس شمس سے روشن ہوا
افریقہ و امریکہ میں جس کی پہنچی ہے ضیا

ہاں وہی دنیا کا مُصلح مُصلحِ موعود تھا
نام تھا محمود جن کا کام بھی محمود تھا

گرچہ ہادی آج وہ نظروں سے میری ہے نہاں
اس کی شفقت یاد کر کے دل ہوا ہے خونچکاں

یاد میں آقا کے اپنے ہر بشر ہے نیم جاں
لب پہ ہے آہ و فغاں اور چشم سے آنسو رواں

آج جس کے فیض کا ہر سمت ہے دریا رواں
ہادی اس کی لکھ گیا ہوں مختصر سی داستاں

حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب

خلافتِ احمدیہ اور احمدی نوجوانوں کی ذمہ داری

لفظ خدام احمدیت سے اصطلاحی طور پر جماعت احمدیہ کے وہ باہمت اور اولوالعزم نوجوان مراد ہیں جن کی عمریں سولہ سال سے لے کر چالیس برس تک ہوتی ہیں۔ یہ زمانہ زندگی میں بھرپور زمانہ ہوتا ہے۔ عزائم اور امنگوں کا زمانہ ہوتا ہے۔ احمدی نوجوانوں سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اس پرجوش حصۂ زندگی میں دین پر سچے عامل ہوں۔ دین کا علم حاصل کرنے والے دین کی خدمت کو اپنا نصب العین قرار دینے والے ہوں۔ انہیں دینی مسائل کا درک ہو اور وہ دین کی ذمہ داریوں کو پوری طرح نبھانے والے ہوں۔

مشہور مقولہ ہے کہ نوجوان قوموں کی ریڑھ کی ہڈی ہوتے ہیں۔ ان سے قوموں کے مستقبل وابستہ ہوتے ہیں۔ ایک فارسی شاعر کہتا ہے ؎

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری است
وقت پیری گرگ ظالم مے شود پرہیزگار

یہ شعر پوری طرح صداقت پر مشتمل نہ بھی ہو کیونکہ نبی تو روزِ اول سے معصوم ہوتا ہے۔ تب بھی اتنی سچائی کا ضرور حامل ہے کہ جوانی کے زمانہ میں نیکی اور تقویٰ اختیار کرنے والا اللہ تعالیٰ کے خاص فضلوں کا وارث ہوتا ہے۔

احمدی نوجوانوں کی ذمہ داری اپنے بزرگوں کی ذمہ داری کی طرح نعمتِ خلافت کے دائمی بنانے میں یکساں ہے بلکہ گونہ زیادہ ہی ہے۔ کیونکہ خلافت الٰہی وعدہ کے مطابق ایک خاص نعمت ہے جو عمل صالح بجا لانے والے مومنوں کو دی جاتی ہے۔ اور جب کسی قوم کو اللہ تعالیٰ کسی انعام سے سرفراز فرماتا ہے۔ تو وہ ان سے اس انعام کو واپس نہیں لیتا۔ جب تک وہ قوم اپنے حالات کو تبدیل نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم کہ میری یہ سنت اور قانون ہے کہ میں کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک وہ قوم خود اپنی حالت کو نہیں بدل لیتی۔ قوموں کی حالت بالعموم نسلوں کے ذریعہ بدلا کرتی ہے۔ آج کل کے نوجوان کل کی قوم کی باگ ڈور سنبھالنے والے بنیں گے۔ اگر ان کی صحیح تربیت نہ ہو۔ اور وہ اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلنے والے نہ ہوں۔ تو وہ بڑے ہو کر اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے قابل نہیں ہو سکتے۔

خلافت اس قسم کا انعام نہیں کہ لوگ اسے زورِ بازو سے حاصل کر سکیں۔ یا زورِ بازو سے قائم رکھ سکیں۔ یہ تو محض موہبت ربانیہ ہے جو اللہ تعالیٰ مومنوں کی اس جماعت کو دیتا ہے۔ جو نیکوکار اور احکام الٰہیہ پر کاربند ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کو نعمت خلافت سے نوازا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکریہ یوں ادا ہوتا ہے۔ کہ ہم سب خلافت

سے وابستگی اختیار کریں۔ خلیفۂ وقت کے لئے دعائیں کریں۔ اس کی بیان کردہ سکیموں پر عمل پیرا ہوں اس کے احکام اور فیصلوں کی صدقِ دل سے تعمیل کریں۔ اور جن جماعتی قربانیوں کے لئے اشاعتِ اسلام کی خاطر وہ بلائے۔ ان کو خندہ پیشانی سے پیش کریں۔ یہ روح ہے جو جماعت کے تمام افراد میں پوری طرح موجزن ہونی چاہیئے۔ اس روح کے ترقی کرنے سے جماعت کا قدم ہمیشہ آگے کی طرف اُٹھے گا۔ اس روح کو پیدا کرنا اور اس کے مطابق اپنی زندگیوں کو بنانا سب احمدیوں کا فرض ہے اور نوجوانوں کو اس بارے میں بہت زیادہ احساس اور سنجیدگی کی ضرورت ہے۔

پس احمدی نوجوان اسی روح کو اپنا کر اور اسے ترقی دے کر اپنے فرض سے سبکدوش ہو سکتے ہیں۔ یہی وہ صورت ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنی اس عظیم نعمت، خلافت، کو جماعت میں دائمی طور پر قائم رکھے گا۔ اور اپنے وعدہ کے مطابق اپنے فضلوں سے جماعت کو نوازتا رہے گا نسلاً بعد نسلٍ یہ نعمت قائم رہے گی۔ اور جماعت کا ہر قدم ترقی کی طرف اُٹھے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمارے نوجوانوں کو اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے کی توفیق بخشے آمین ؎

فرنیچر پالش کرنے کا طریقہ

اشیاء:۔ کاسٹک سوڈا۔ پانی۔ چاک مٹی۔ سریش۔ ریگ مال۔ میتھیلیٹڈ سپرٹ۔ دانہ لاکھ۔

طریقہ:۔ کاسٹک سوڈے کو پانی میں ملا کر بہت ہلکا کر لیں۔ اب اس سوڈا ملے ہوئے پانی سے فرنیچر کو اچھی طرح صاف کر لیں۔ کپڑے کے ٹکڑے کو بھگو کر فرنیچر پر زور سے رگڑیں۔ اگر میز یا کرسی میں سوراخ بھی ہیں۔ تو پالش کرنے سے پہلے انہیں سریش اور چاک مٹی ملا کر پُر کر لینا چاہیئے اور بعد میں ریگ مال سے اوپر سے صاف کر دینا چاہیئے۔ اب میتھیلیٹڈ سپرٹ کی ایک بوتل میں آدھ پاؤ دانہ لاکھ ڈال کر پالش تیار کر لیں، اور فرنیچر پر آہستہ آہستہ لیپ کر دیں۔

پالش کے تین دفعہ لیپ کرنے کے بعد آپ کا فرنیچر بالکل تیار ہو جائے گا۔

محمد عمر دراز تنویر۔ نامہ نگار خصوصی "خالد"
66/C سمن آباد۔ لائل پور

مکرم میجر عبدالحمید صاحب

امریکہ میں ڈیٹن مسجد کی تعمیر

فوج سے ریٹائر ہونے کے بعد اس عاجز کو مارچ ۱۹۶۲ء سے لے کر ۲ر مئی ۱۹۶۳ء تک انگلستان میں اور ۲ر مئی ۱۹۶۳ء سے لے کر ۲۸ر فروری ۱۹۶۷ء تک امریکہ میں تبلیغ اسلام کی سعادت نصیب ہوئی فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

اس عرصہ میں سب سے اہم واقعہ ڈیٹن اوہایو میں مسجد کی تعمیر ہے۔ چنانچہ قارئین خالد کے افادہ کے لئے اسی ایک واقعہ کو پیش کیا جاتا ہے۔

۱۹۵۲ء میں ہمارے ایک مخلص بھائی مکرم ولی کریم صاحب مقیم ڈیٹن اوہایو نے ایک قطعہ جس کا طول ایک سو فٹ اور عرض چالیس فٹ تھا مسجد کے لئے ہبہ کر دیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں انہوں نے چندہ اکٹھا کر کے اس پر ایک تہ خانہ تعمیر کیا۔ مگر مسجد کی تعمیر کے لئے جس رقم کی ضرورت تھی وہ مہیا نہ ہو سکی لہٰذا مسجد کی تعمیر کا کام ایک نامعلوم عرصہ کے لئے معرض التوا میں پڑ گیا۔

۱۷ر مئی ۱۹۶۳ء کو یہ عاجز واشنگٹن سے ہوتا ہوا بغرض تبلیغ ڈیٹن پہنچا۔ سٹیشن پر ایک عمر رسیدہ دوست مکرم عبدالقدیر صاحب جن کی عمر ۸۵ سال کے لگ بھگ تھی۔ استقبال کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے۔ ان کے پھٹے پرانے کپڑے دیکھ کر یوں معلوم ہوتا تھا کہ آپ نہایت ہی مفلوک الحال ہیں۔

چنانچہ ان کی رہنمائی میں ایک لوکل بس پر ہم دونوں سوار ہوئے۔ ان کی غریبانہ حالت سے متاثر ہو کر میں نے مناسب سمجھا کہ ان کا کرایہ بھی خود ہی ادا کر دوں۔ مذکورہ بالا تہ خانہ کے ساتھ ہی مکرم ولی کریم صاحب کا رہائشی مکان تھا۔ جس میں میری رہائش کا انتظام بھی کیا گیا۔ وہاں جا کر جب حالات کا جائزہ لیا۔ تو معلوم ہوا کہ نہ ہی تو میرے کام کرنے کے لئے کوئی دفتر ہے۔ نہ ٹیلیفون ہے نہ ہی ٹائپ رائٹر ہے۔ تہ خانہ میں چند بوڑھے اور غریب لوگ نماز کے لئے جمع ہو جاتے۔ ان کا ماہوار چندہ ساٹھ ڈالر کے قریب ہوتا جس میں سے نصف وہ لوکل ضروریات کیلئے رکھتے اور باقی نصف ملکی مرکز جماعت احمدیہ واقعہ واشنگٹن میں بھیج دیتے۔

سب سے پہلے میں نے احباب جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے ایک خوبصورت دفتر کے قیام کی اپیل کی۔ انہوں نے اکل چندہ جمع کر کے کچھ کرسیاں میز اور ایک بوسیدہ قالین کا انتظام کر دیا۔ یہ سب اشیا کسی کباڑی کی دکان سے خریدی گئی تھیں۔ مگر ٹائپ رائٹر اور ٹیلیفون مہیا نہ کر سکے تہ خانہ کی چھت پر ایک کچا سٹور روم تھا۔ اسے خالی کر کے دفتر کی شکل دی گئی۔

چند دنوں کے بعد اس عاجز نے مرکز کو سفارش

کی کردہ مسجد کی تعمیر کے لئے کچھ رقم روانہ کریں۔ جناب
مکرم وکیل اعلیٰ صاحب کی ہدایت پر مسجد کا تخمینہ حاصل کیا
گیا تو معلوم ہوا کہ پچیس ہزار سے پینتیس ہزار ڈالر کے درمیان
صرف مسجد کی تعمیر پر خرچ آئے گا۔ اور فرنیچر وغیرہ پر
مزید دس ہزار ڈالر درکار ہوں گے۔ مرکز نے امریکہ کے
باقی مشنوں سے خط وکتابت کر کے یہ فیصلہ کیا کہ ڈیٹن
کی بجائے شکاگو میں مسجد تعمیر ہو اور اس سلسلہ میں ایک
مسجد کمیٹی بنائی گئی۔ جس کے چیئرمین مکرم سید جواد علی شاہ
صاحب مقرر ہوئے۔ اس پر اس عاجز نے مرکز سے
اجازت لے کر مقامی طور پر چندہ جمع کر کے ڈیٹن میں
مسجد تعمیر کرنے کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ جب پہلی بار
میں نے ڈیٹن کے احمدی احباب کو اس سلسلہ میں خطاب
کیا۔ تو مکرم ولی کریم صاحب مرحوم نے جن کی عمر ۷۰ سال
کے قریب تھی کھڑے ہو کر کہا۔

"میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر اقرار کرتا ہوں
کہ اگر کسی اور بھائی نے میرا ساتھ نہ دیا تو میں اکیلا ہی
یہ مسجد تعمیر کروں گا"

یہ کہہ کر آواز بلند انہوں نے اللہ اکبر کہا۔
ان کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے کچھ عجب تاثیر پیدا کی۔ مکرم
عبدالقدیر صاحب نے جن کا ذکر اس مضمون کے شروع
میں آچکا ہے۔ سب سے پہلے وعدہ کیا کہ وہ ایک ہزار
ڈالر چندہ دیں گے۔ پھر مکرم ولی کریم صاحب نے بھی
وعدہ کیا کہ وہ بھی ایک ہزار ڈالر چندہ دیں گے۔ چند
دنوں کے بعد مکرم عبدالقدیر صاحب نے ایک ہزار
ڈالر دے دیئے۔ اور مکرم ولی کریم صاحب کے پاس
نقد میں تو کوئی رقم نہ تھی۔ البتہ انہوں نے غالباً
ایک یہودی دوست سے قرض لے کر ایک ہزار ڈالر دے دیئے۔

لوکل لجنہ اماء اللہ کی طرف سے ایک سو ڈالر موصول ہوا۔
بعد میں تمام امریکہ کی لجنہ نے ایک ہزار ڈالر دینے کا
وعدہ کر دیا۔ اگرچہ یہ رقوم تخمینہ کی رقم سے بہت کم
تھیں۔ تاہم مجھے یقین تھا کہ اس تحریک کے پیچھے
اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔ لہذا حوصلہ بڑھتا گیا۔ ہم نے
میونسپل کمیٹی میں بلڈنگ پرمٹ کے لئے درخواست
دی۔ اس کے منظور ہوتے ہی مکرم ولی کریم صاحب
وفات پا گئے۔ ان کی وفات پر جب الفضل میں اشاعت
کے لئے مضمون تحریر کر رہا تھا۔ مکرم عبدالقدیر صاحب
میرے پاس ہی بیٹھے تھے۔ انہیں مخاطب کر کے میں نے
عرض کی کہ جس دوست نے خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر اکیلے
مسجد تعمیر کرنے کا اقرار کیا تھا۔ وہ تو اب چل بسا۔ لہذا
اگر ممکن ہو سکے۔ تو وہ مزید رقم ادا کریں۔ چنانچہ آپ
نے ایک ہزار ڈالر مزید دینے کا وعدہ فرمایا۔ اور دوسرے
روز یہ رقم بھی دیدی۔ میں نے ان نیک دل بھائی
کو تحریک کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ حتیٰ کہ وہ ایک
روز مزید چار ہزار ڈالر کی رقم دینے پر آمادہ ہو گئے
گویا کل رقم آپ نے مبلغ چھ ہزار ڈالر خانہ خدا کی
تعمیر کے لئے دے دی۔ اور اس عاجز نے اللہ تعالیٰ
پر توکل کر کے تعمیر کا کام شروع کر دیا۔ آہستہ آہستہ
امریکہ کے باقی مشنوں کی طرف سے بھی رقوم آنی
شروع ہو گئیں۔ اور مرکز کی طرف سے بھی مبلغ پانچ
ہزار ڈالر کی رقم وصول ہوئی۔ تھوڑے ہی عرصہ
میں خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم کے ساتھ ایک
نہایت ہی خوبصورت مسجد میناروں اور گنبد کے ساتھ
تعمیر ہو گئی۔

اس کے ہال میں ایک دیدہ زیب اور خوشنما سبز رنگ

کا قالین بچھا ہوا ہے۔ مسجد کے ساتھ ایک نہایت ہی خوبصورت دفتر بھی تعمیر ہو گیا۔ ٹیلیفون لگ گیا۔ فرنیچر نیا خرید اگیا۔ ٹائپ رائٹر مل گیا۔ اور اور بھی بہت کام ہوتے۔ اور جب تمام خرچ کا حساب کیا۔ تو کُل سولہ ہزار پانصد ڈالر ہیں اللہ تعالےٰ کے فضل اور رحم سے یہ سارا کام ہوگیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

امریکہ میں جماعت احمدیہ کی یہ پہلی مسجد ہے جو ڈیٹن میں تعمیر ہوئی۔ باقی واشنگٹن۔ پٹس برگ اور شکاگو میں صرف عمارتیں ہیں جنہیں مسجد کا نام دیا گیا ہے۔

اللہ تعالےٰ کے اس فضل اور احسان پر جتنا بھی شکر یہ ادا کیا جائے تھوڑا ہے۔ اللہ تعالےٰ سے دعا ہے۔ کہ وہ اس مسجد کو اعلائے کلمۃ اللہ کا ذریعہ بنائے ہدایت اور نور کا یہ مرکز ہو۔ اور یہ مسجد امریکہ کے طول وعرض میں لاتعداد مساجد کی تعمیر کا پیش خیمہ ہو۔ آمین ثم آمین ؛

عزیزو! یہ دین کی خدمت کا وقت ہے

" عزیزو! یہ دین کے لئے اور دین کی اغراض کے لئے خدمت کا وقت ہے اس وقت کو غنیمت سمجھو کہ پھر کبھی ہاتھ نہیں آئے گا۔ تم ایسے برگزیدہ نبی کے تابع ہو کر کیوں ہمت ہارتے ہو؟ تم اپنے وہ نمونے دکھلاؤ۔ جو فرشتے بھی آسمان پر تمہارے صدق و وفا سے حیران ہو جائیں۔ اور تم پر درود بھیجیں ؛"

(ماخوذ از کشتی نوح مصنفہ حضرت مسیح موعودؑ بانی سلسلہ احمدیہ)

(حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ)

۱۰ - خدا کے غلام دنیا کے بادشاہوں سے زیادہ معزز ہیں۔

۱۱ - انسان اگر کامیاب ہونا چاہتا ہے تو اس کا فرض ہے کہ عجز اور انکسار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرے ؛

۱۲ - قومی کاموں کو پورا کرنا ذاتی کاموں سے زیادہ مقدم ہوتا ہے،

اقوال زرّیں

(از حضرت مسیح موعودؑ)

۱ - تم اپنے خدا سے ڈرو اور پاک دل ہو جاؤ۔

۲ - خدا کی نافرمانی ایک گندی موت ہے، اس سے بچو۔

۳ - اللہ تکبر کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

۴ - خدا تعالےٰ اپنی طرف آنیوالے کی سعی اور کوشش کو ضائع نہیں کرتا۔

۵ - ہمارا خدا وہ خدا ہے جو ہر ایک بات پر قادر ہے۔

۶ - خدا کی لعنت سے ڈرو۔ جو آسمان سے نازل ہوتی ہے اور جس پر پڑتی ہے اس کی دونوں جہانوں میں بیخ کنی کر جاتی ہے۔

۷ - خدا کی رحمت فرمانبرداروں اور راستبازوں پر ہوتی ہے جو خدا کے حضور نیکی اور پاکیزگی کا تحفہ لے کر جاتے ہیں۔

۸ - غالب وہی ہوتا ہے جس کو خدا نے اپنا نور اور فضل دے کر بھیجا ہے۔

۹ - گناہ کی وجہ بھی اللہ تعالےٰ پر عدم یقین ہے۔

مزاح

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ

مغرب زدہ

صفائی

(۱)

مرحبا! یورپ زدہ۔ فیشن پرست
ڈاڑھی مونچھیں صبح دم ہوتی ہیں صاف
منّیل اور صابن کے اندر بیٹھ کر
تیرے ناخن پنجۂ سگ سے غلیظ
تازہ کھانا منع ہے تیرے لئے
دانت تیرے مَیل سے ہردم بھرے
جُوتیوں سے فرش پر پھرتا ہے یوں
پھر بھی، تو کہتا ہے "کالا لوگ" کو
اہلِ مغرب کی تو فطرت مسخ ہے

خوب ہے تیری صفائی۔ اے حسیں
اور بنا کرتی ہے زُلفِ عنبریں
ایک ٹب میں غسل ہوتا ہے وہیں
ہے چُھری کانٹے میں سب ایمان و دیں
ہیں غذائیں تیری امریکہ کے ٹیں
کھا کے کُلّی تک نہیں۔ صد آفریں
تو ہے گویا ساکنِ زیرِ زمیں
"کچھ صفائی آپ، لوگوں میں نہیں"
ساری باتیں "فطرتی" گُم ہوگئیں

تیرے آبا کا عمل ان سب پہ تھا
وائے حسرت! تُو نے ساری چھوڑ دیں

زینت

(۲)

سُرخی اور پوڈر ہے چہرے پر لگا
ناک سے اور مُنہ سے سگرٹ کا دھواں
کٹ گئے ٹانسل، اپنڈکس شوق میں
میم صاحب "محرم نامحرماں"

مَرد سے عورت بنا ہے نازنیں
یوں ہے جیسے چل رہی ہو اک مشیں
پَر ہے ختنہ پر ہمیشہ نکتہ چیں
ناچنے گانے لگی محمل نشیں

چھوڑ ایسی زندگی کو اے عزیز!
یہ تو ہے تہذیبِ دجالِ لعیں

APPENDIX ۔ ؎۲
TONSIL ؎۱

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب رضی اللہ عنہ

حکایات

سانگلہ ہل

سانگلہ ایک قصبہ شیخوپورہ کے ضلع میں واقع ہے۔ اس کے سٹیشن کا نام سانگلہ ہل (SANGLA HILL) مشہور ہے اور ریل کے ٹائم ٹیبل میں بھی اس کا یہی نام درج ہے۔ پنجاب کا یہ علاقہ ایسا سخت گرم ہے کہ وہاں گرمیوں میں آگ برستی ہے ایک دفعہ وہاں کے ہائی سکول کے لئے اخبارات میں یہ اشتہار نکلا کہ ایک ہیڈ ماسٹر کی ضرورت ہے جو لائق اور تجربہ کار ہو اور انگریزی کا مضمون خاص طور پر اچھا پڑھا سکتا ہو۔ وہ اشتہار کسی انگریزی اخبار میں ایک بنگالی بابو کی نظر سے بھی گذرا جو غالباً کلکتہ میں رہتے تھے۔ بچارے ایم۔ اے تھے غریب تھے اور ساتھ ہی نیم مسلول بھی اور لوگوں کی طرح انہوں نے بھی اس پوسٹ کے لئے عرضی دیدی اور خیال یہ کر لیا کہ نہ صرف گذارہ چل جائیگا۔ بلکہ ہل سٹیشن (HILL STATION) ہونے کی وجہ سے میری بیماری پر بھی اچھا اثر پڑے گا۔ ادھر یہ ہوا کہ سکول کے منتظمین کے پاس جتنی درخواستیں آئی تھیں ان سب میں اس بنگالی کی درخواست بہترین قرار دی گئی۔ کیونکہ اس کی ڈگریاں بھی زیادہ تھیں۔ اور غالباً تجربہ بھی۔ غرض اسی کو بلا لیا گیا۔ اس پر بنگالی بابو نے جھٹ پٹ پہاڑ کے موسم کے مطابق گرم جوڑے تیار کروا کر اپنا سفر پنجاب کی جانب شروع کر دیا۔ لاہور پہنچنے کے بعد وہ سانگلہ ہل والی گاڑی میں بیٹھے اور ہر سٹیشن پر پوچھنا شروع کیا۔ کہ سانگلہ ہل کتنی دور ہے؟ غرض اسی طرح سفر کرتے کرتے آخر سانگلہ سے ورلے سٹیشن تک پہنچ گئے۔ اس وقت مسافروں نے کہا۔ کہ لیجئے اب اگلا سٹیشن سانگلہ ہل کا ہے جون کا مہینہ یا جون کا تھا اور دوپہر کا وقت۔ مسافروں کے ہر بن مو سے پسینے بہہ رہے تھے۔ اور گرمی کے مارے ٹرین کے ڈبے تنور کی طرح تپ رہے تھے کہ سانگلہ کے قریب آجانے کا نام سنکر بنگالی بابو نے اپنا ٹرنک کھولا۔ اور جلدی جلدی بنیان سویٹر گرم پتلون اور جرابیں پہنکر اوپر سے ایک موٹا اوور کوٹ چڑھا لیا۔ پھر گلوبند گردن کے گرد لپیٹ کر منزل مقصود کی راہ تکنے لگے۔ ڈبہ کے مسافر حیران تھے کہ یہ شخص بیمار ہے یا دیوانہ؟ آخر سانگلہ ہل تو آ گیا۔ مگر ٹھنڈک نہ آئی نہ پہاڑ کا سرد ہوا۔ نہ سبزہ نہ بارش۔ ارے باپ۔ رے باپ! یہ کیسا ہل سٹیشن ہے؟ اتنے میں ایک استاد اور کئی لڑکے سکول کے ہونیوالے ہیڈ ماسٹر کو لینے کے لئے آئے تھے پہنچ گئے تھرمامیٹر ایک سو بیس درجہ پر۔ اور اوپر سے لباس وہ جس کا ذکر کر چکا ہے۔ بمشکل گرمی سے ہانپتے ہوئے بنگالی کو درجہ میں سے کھینچ کر نکالا گیا۔ اسباب اتروا یا۔ اور لڑکے کہنے لگے۔ کہ چلیے شہر کو۔ لیکن وہاں نہ موٹر تھا نہ ٹانگہ نہ ٹم ٹم۔ اسی گرمی اور لباس میں بیچارے بنگالی بابو کوئی فرلانگ بھی پیدل نہ چلے ہونگے کہ گرمی کے مارے بیہوش ہو گئے۔ لڑکے چار پائی پر ڈال کر ان کو شفاخانہ لیگئے تو معلوم ہوا کہ ہیٹ سٹروک (HEAT STROKE) ہے۔ سب کپڑے اتار دیئے گئے۔ پانی کے ٹب میں ان کو لٹا دیا گیا۔ سر پر برف رکھی گئی تب کہیں جا کر شام تک ہوش و حواس درست ہوئے۔ ہوش میں آتے ہی فرمانے لگے۔ کہ بابا ہم تو اسے ہل سٹیشن سمجھکر آیا تھا مگر ایسے ہل سٹیشن کی ہمیں خبر نہ تھی۔ جہاں ہیٹ سٹروک ہو جاوے۔ ہم تو ایک دن بھی یہاں رہنا نہیں مانگتا۔ غرض دو تین دن میں کچھ طبیعت بحال ہوئی تو وہ سیدھے کلکتہ واپس بھاگ گئے اور طلبہ کو اپنی حالت پر ہنستا چھوڑ گئے۔ بعض نام بھی بہت دھوکا ہوتا ہے۔

ہیجڑوں کی کرامت

۱۹۰۵ئہ کا ذکر ہے۔ کہ میں پہلی دفعہ ملازم ہو کر دہلی میں متعین ہوا۔ گرمی اس سال سخت پڑی تھی اور بارش کے ہونے میں اسقدر کھینچ ہوگئی۔ کہ زمین العطش العطش پکارنے لگی ہندوؤں نے غربا کیلئے لنگر کھول دیئے۔ اور مسلمانوں نے یہ فیصلہ کیا کہ نماز استسقاء پڑھی جائے۔ چنانچہ پہلے روز حنفی جمع ہو کر جنگل میں گئے۔ نماز استسقاء پڑھی جا دریں الٹا کر دعائیں مانگیں۔ اور آ گئے۔ دوسرے دن اہلحدیث اسی طرح گئے اور وہی عمل کر آئے۔ تیسرے دن شیعہ گئے اور اپنے مذہب کی رو سے بارش کی دعا مانگ کر آ گئے غرض روزانہ کوئی نہ کوئی فرقہ جاتا اور خدا سے بارش کی دعا مانگتا مگر .... ناکام آجاتا۔ غالباً ساتواں دن تھا کہ شہر میں غل مچ گیا۔ کہ آج ہیجڑے بارش مانگنے جا رہے ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ جمع ہو کر دس بجے شہر سے باہر نماز کے لئے گئے اور بارہ بجے موسلادھار مینہہ برساتے اور بھیگتے ہوئے واپس آئے۔ شہر میں مبارک سلامت کا شور برپا ہو گیا۔ لوگوں نے یہی کہا۔ کہ اس درگاہ میں عاجزی اور انکسار پسند ہے۔ اسی وجہ سے اس فرقہ کی دعا فوراً قبول ہوئی۔ باقی سب مولوی۔ عالم۔ لمبی ڈاڑھیوں والے اپنے دین پر یا اپنی قبولیت پر یا اپنے حسب نسب پر فخر کرنے والے اور متکبر تھے۔ کسی فرقہ میں انکسار نہ تھا۔ مگر ہیجڑے بیچاروں کو کس بات پر فخر ہو سکتا تھا؟ وہ عاجزی اور فروتنی لے کر گئے تھے اور ابر رحمت برساتے لائے۔

احمقانہ رازداری

ایک شہر میں ایک سیٹھ صاحب رہا کرتے تھے۔ ان کا ایک لڑکا سات آٹھ سال کی عمر کا تھا سیٹھ امیر تو تھے ہی مگر وہمی بھی حد درجہ کے تھے۔ اور لڑکا بھی اکلوتا اور بہت پیارا تھا ایک دن لڑکے کو بخار ہو گیا جھٹ گلی کے نکڑ والے ڈاکٹر کو بلا کر دکھایا۔ تو اس نے کونین مع فیور مکسچر کے دیدیا۔ ہندوستان میں ملیریا کی اتنی کثرت ہے کہ ہر بخار کی تشخیص ابتدائی ایام میں عموماً ملیریا ہی ہوتی ہے۔ سیٹھ صاحب نے ایک گھنٹہ کے بعد بخار میں کمی نہ دیکھی تو جھٹ بڑے بازار والے ڈاکٹر کو بلایا۔ اور نوکروں کو سمجھا دیا۔ کہ ہرگز کوئی شخص اس ڈاکٹر کو یہ نہ بتائے کہ گلی والا ڈاکٹر پہلے یہاں ہو گیا ہے چنانچہ وہ ڈاکٹر بھی آیا۔ اور اس کو بتایا کہ ابھی تک کسی ڈاکٹر نے مریض کو نہیں دیکھا نہ کسی کا علاج ہوا ہے اس نے بھی قدیم رواج کے مطابق اسے کونین کے کیچیٹ اور کوئی مکسچر دے دیا۔ ایک گھنٹہ کے بعد سیٹھ صاحب نے چوک والے ڈاکٹر کو بلوایا اور اس سے بھی پہلے ڈاکٹروں کے نام اور ان کے نسخے مخفی رکھے گئے۔ اس بیچارے نے بھی یوکنین اور ایسپرین ملا کر لڑکے کو دینی شروع کر دی۔ جس سے کچھ پسینہ بھی آگیا۔ مگر ڈاکٹروں اور علاج کا سلسلہ رات بھر برابر چلتا رہا۔ جو بھی آیا۔ اس نے اپنے تئیں پہلا معالج سمجھ کر مریض کے حلق میں کونین ٹھونسی۔ اور غضب یہ کہ سیٹھ صاحب ایک۔ ایک دو گھنٹہ کے بعد معالج بدلتے رہے۔ اور نتیجہ کا انتظار کئے بغیر معالج سے یہ مطالبہ کرتے رہے کہ بس بخار ابھی اتر جائے۔ اور کسی کو یہ نہ بتایا۔ کہ تم سے پہلے بھی کوئی ڈاکٹر آیا تھا۔ اور وہ یوکنین کی پڑیا یا ایسپرین اور کونین کی کیچیٹ کھلا گیا تھا۔ یا کونین مکسچر پلایا گیا تھا۔ آخر کونین کھاتے کھاتے لڑکے کو سخت ہذیان شروع ہو گیا۔ پچھلی رات کو اسے ایک ڈاکٹر نے کونین کا ٹیکہ زیر جلد لگایا۔ اور صبح ہوتے ہوتے آخری معالج نے جسے پہلے علاج کا علم نہ تھا۔ ورید کے اندر ۵ گرین کونین ڈال دی۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اٹھارہ گھنٹہ کے اندر قریباً ایک ڈرام کونین مریض کے اندر پے در پے پہنچ گئی۔ جس نے اسے بسرعت اللہ میاں کے ہاں پہنچا دیا۔ یہ ہے نتیجہ اخفا کی بیوقوفی اور احمقانہ رازداری کا اسے ہم لوگ (OVER DOSING) کہتے ہیں۔

تاریخ اسلام

اسلم شاد

غزوۂ بدر ــــــ ایک واقعاتی جائزہ

غزوہ ایک اصطلاح ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سوانح نگاروں نے وضع کی ہے، اس سے مراد ہر وہ جنگ یا مقابلہ یا مہم ہے جس میں آپ بنفس نفیس شامل ہوتے ہوں۔ لیکن ایسی جنگ یا مقابلہ جس میں آپ خود تو شامل نہ ہوئے بلکہ کسی صحابی کی امارت میں کوئی دستہ روانہ فرمایا اسے مورخین نے سریہ یا بعث سے موسوم کیا ہے۔ غزوہ کے لئے ضروری نہیں کہ اس میں دشمن سے جنگ ہی ہو بلکہ غزوہ حدیبیہ بھی غزوہ کہلاتا ہے حالانکہ یہاں جنگ کی بجائے ایک صلحنامہ پر ہر دو فریق کا اتفاق ہو گیا تھا۔ ان غزوات میں سے چند ایک تو بہت ہی مشہور ہیں۔ لیکن ان کے علاوہ آپ کو بے شمار مقابلے دشمن سے پیش آتے جو پچاس کے قریب ہیں اکثر غزوات میں آپ کو مدینہ سے باہر جانا پڑتا تھا بعض غزوات میں تو پانچ سو میل کا سفر بھی اختیار کرنا پڑا۔

یہ غزوات آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بے شمار پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہیں اور آپ کی شخصیت اور آپ کی سیرت کے آئینہ دار ہیں۔ لیکن بعض متعصب عیسائی مورخین نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو اس رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے کہ جس سے یہ نتیجہ نکلے کہ آپ جبر و تشدد کے حامی تھے۔ اور نعوذ باللہ آپ نے تلوار کے زور سے اسلام پھیلانے کی کوشش کی چنانچہ مغربی مورخین کے اس خیال کو بعض نادان اور کم فہم مسلمانوں نے بھی اپنانے کی کوشش کی ہے جو نہایت قابل افسوس اور حد درجہ شرمناک امر ہے۔ دشمن کا یہ خیال محض تعصب تنگ نظری اور حقائق کو چھپانے کا نتیجہ ہے حالانکہ تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص اچھی طرح جانتا ہے کہ اسلام تلوار سے نہیں بلکہ اپنی سچائی کے بل بوتے پر اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور آپ کے صحابہؓ کے کردار کے زور سے پھیلا ہے۔

اسلام کی ساری جنگیں درحقیقت دفاع اور خود حفاظتی کے لئے تھیں۔ ورنہ جس حالت میں مسلمانوں نے جنگ کا آغاز کیا۔ اسے کسی حال میں بھی جبر و تشدد کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ تاریخ شاہد ہے کہ سارے ملک کے ہتھیار بند لشکر نے چند گنتی کے لوگوں پر عرصۂ حیات تنگ کر کے جنگ کو ناگزیر کر دیا تھا اور مسلمانوں کے لئے خود حفاظتی کے لئے سوائے تلوار اٹھانے کے یا پھر موت کا استقبال کرنے کے کوئی چارہ کار نہ رہا تھا۔

اب ہم غزوہ بدر کا ایک واقعاتی جائزہ لیتے ہیں۔ کہ یہ جنگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو کس قدر اجاگر کرتی ہے اور اس میں جبر و تشدد کا کہاں تک دخل تھا۔

تاریخ | غزوہ بدر ۱۷ رمضان ۲ھ کو مطابق ۱۴ مارچ ۶۲۳ء بروز جمعہ وقوع پذیر ہوا

یہ کفر و اسلام کی پہلی باقاعدہ جنگ تھی۔ جس کے نتائج ہر دو فریق کے لئے بہت گہرے اور دوررس ثابت ہوئے۔ اور قرآن کریم میں بھی اسے یوم الفرقان کے نام سے یعنی حق و باطل کے درمیان فیصلہ کے دن سے موسوم کیا گیا۔

مقام

جہاں تک بدر کے مقام کا تعلق ہے بدر ایک وادی کا نام ہے۔ جس میں چند چشمے ہیں۔ اور مدینہ کے جنوب میں ۸۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ جو مکہ سے آٹھ نو یوم اور مدینہ سے چار پانچ یوم کی مسافت پر ہے یہ بیضوی شکل کا میدان ہے جو ساڑھے پانچ میل لمبا اور چار میل چوڑا ہے اس کے اطراف میں بلند پہاڑ ہیں۔ دور سے سفید ریت کے دو تودے نظر آتے ہیں جو دو پہاڑیاں ہیں جن میں سے ایک کا نام العدوۃ الدنیا اور دوسری کا العدوۃ القصویٰ ہے۔ ان دونوں پہاڑیوں کے مابین بلند پہاڑ ہے جس کا نام جبل اسفل ہے اس پہاڑ کے پیچھے دس بارہ میل کے فاصلے پر سمندر ہے۔ مکہ اور مدینہ کے قریب ترین راستہ کا اتصال اسی مقام پر ہوتا ہے۔

پس منظر یعنی موجبات

مستقل وجہ۔ کفار کی اسلام دشمنی۔ جب ہم اسلامی تاریخ کے مکی دور پر غور کرتے ہیں تو یہ دور قریش مکہ کے مظالم اور جبر و تشدد کی داستانوں سے بھرا ہوا نظر آتا ہے۔ اور مسلمانوں کو جنگ پر مجبور کرنے کا کافی ثبوت ہے۔ کیونکہ دنیا کی کسی قوم سے اس قدر ظلم اور جبر کا سلوک روا نہیں رکھا گیا جیسا کہ ان معصوم اور بے گناہ مسلمانوں کے ساتھ کیا گیا۔ یہ واقعات اتنے دردناک ہیں کہ ان کے ذکر سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دلوں پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔ انہیں خدائے واحد کی پرستش سے روکا گیا۔ نہایت بے دردی سے مارا پیٹا گیا۔ اموال لوٹ لئے گئے۔ عورتوں کی بے حرمتی کی گئی۔ ان کے ساتھ بائیکاٹ کیا گیا۔ اور انہیں ظالمانہ طور پر قتل کیا گیا۔ حتیٰ کہ زمین باوجود فراخی کے ان پر تنگ ہو گئی۔ اور وہ اپنے گھروں کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہنے پر مجبور ہو گئے۔ محض اس جرم کی پاداش میں کہ وہ خدائے واحد کی پرستش کر رہے تھے اور خدا کے رسول پر ایمان لائے تھے۔ حبشہ کی سرزمین بھی ان کے لئے امن اور چین کی زندگی مہیا نہ کر سکی۔ اور ظلم کی انتہا یوں ہوئی کہ مکہ والوں نے مسلمانوں کے آقا کے قتل کا فیصلہ دے دیا۔ مدینہ کی طرف ہجرت کے بغیر کوئی چارہ نہ رہا۔ مدینہ میں مسلمانوں کو امن کا سانس لینا نصیب ہوا۔ اب کفار مکہ کی سرگرمیاں مدینہ تک بڑھنے لگیں۔ جب صبر و تحمل کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ تو خدا تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو دفاعی طور پر تلوار اٹھانے کی ان الفاظ میں اجازت ملی اور کفار کے خلاف اعلان جنگ کر دیا گیا:

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِأَنَّهُمْ
ظُلِمُوْا وَإِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ
لَقَدِيْرُ ۞ الَّذِيْنَ أُخْرِجُوْا
مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا
أَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْلَا
دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ
لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّ

صَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝

اجازت دی جاتی ہے لڑنے کی مسلمانوں کو جن کے خلاف کفار نے تلوار اٹھائی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں۔ اور ضرور اللہ تعالیٰ ان کی نصرت پر قادر ہے وہ ظلم کے ساتھ اپنے گھروں سے نکالے گئے، صرف اس بناء پر کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اگر اللہ تعالیٰ (دفاعی جنگ کی اجازت دے کر) ایک قوم کو دوسری قوم کے خلاف نہ روکے تو یقیناً راہبوں کے صومعے اور عیسائیوں کے گرجے اور یہود کے معابد اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں کثرت کے ساتھ خدا کا نام لیا جاتا ہے ایک دوسرے کے ہاتھ سے تباہ و برباد کر دی جاتیں۔ اور اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مدد کرے گا۔ جو اس کی مدد کرتا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ قوی اور غالب ہے۔

مورخین کے نزدیک یہ حکم ۱۲ صفر سنہ ۲ھ مطابق ۱۵ اگست سنہ ۶۲۳ء کا ہے جو ہجرت کے قریباً ایک سال بعد نازل ہوا۔ اور جہاد بالسیف کی اجازت کے متعلق یہ سب سے پہلی آیت ہے۔

فوری تدابیر

آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ کفار اب مدینہ میں بھی مسلمانوں کو امن سے بیٹھنے نہ دیں گے تو آپ نے لیاقت دانشمندی اور فراست سے حفاظتی تدابیر اختیار فرمائیں۔ کیونکہ کفار اب سارے عرب کو مسلمانوں کے خلاف اکسا رہے تھے اور مسلمانوں کے لئے شدید خطرہ پیدا ہو چکا تھا ان حالات میں آپ نے ارد گرد کے حالات کا جائزہ لینے کے لئے چھوٹے چھوٹے دستے روانہ فرمائے جن سے ایک تو دشمن کے منصوبوں اور ان کی نقل و حمل کا علم ہوتا اور دوسرے قبائل سے معاہدات کرکے انہیں غیر جانبدار رکھنے کی بھی کوشش کی جاتی تھی۔ اس طرح ایک حد تک مدینہ کی اطراف میں مسلمانوں کا رسوخ قائم ہو گیا اور دشمن کو بھی مسلمانوں کے چوکس رہنے کا علم ہونے لگا۔

اسی اثناء میں مکہ کے ایک رئیس کرز بن جابر نے قریش مکہ کے ایک دستہ کو ساتھ لے کر مسلمانوں کی چراگاہ پر حملہ کیا اور کچھ اونٹ ہانک کر لے گیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دور تک تعاقب کیا لیکن وہ بھاگ کر نکل گیا۔

جب قریش اس دیدہ دلیری پر اتر آئے۔ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں کے خلاف کوئی لشکر تیار کیا جا رہا ہو۔ اس لئے حالات کا جائزہ لینے کی غرض سے آپ نے آٹھ آدمیوں کا ایک دستہ عبداللہ بن جحش کی سرکردگی میں روانہ فرمایا۔ اور امیر قافلہ کو ایک بند لفافہ دیا اور فرمایا کہ دو دن بعد اسے کھولا جائے۔ جب انہوں نے خط کھولا۔ تو لکھا تھا کہ مکہ اور طائف کے درمیان وادی نخلہ میں قیام کرو۔ اور قریش کے حالات سے آگاہی حاصل کرکے اطلاع دو۔ انہیں وہاں پہنچے ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ اچانک قریش کا ایک قافلہ وہاں آن پہنچا جو طائف سے مکہ جا رہا تھا مسلمانوں نے گمان کیا کہ قریش کے اس لشکر پر ان کا راز افشا ہو چکا ہے۔ اس لئے اس کا بچ کر جانا خطرہ سے خالی نہیں۔ اس خطرہ کو محسوس کرتے ہوئے ان پر حملہ کر دیا قریش کا ایک آدمی عمرو الحضرمی مارا گیا دو قید ہو گئے

اور چوتھا بھاگ نکلا - تجویز کامیاب نہ ہو سکی - تو عبداللہ
اور اس کے ساتھی سامانِ غنیمت کے ساتھ جلد مدینہ
واپس لوٹ آئے - جب اس کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کو علم ہوا - تو آپ سخت ناراض ہوئے - اور فرمایا میں
نے تمہیں اشہر حرام میں لڑنے کی اجازت نہیں دی تھی
اور مالِ غنیمت لینے سے انکار کر دیا - دوسری طرف
قریش میں عمرو بن الحضرمی کے قتل سے غم و غصہ کی لہر دوڑ
گئی - کیونکہ وہ قریش مکہ کا ایک رئیس تھا - اور
عتبہ بن ربیعہ رئیس مکہ کا حلیف تھا - کفارِ مکہ کو اس
طرح آتشِ غضب بھڑکانے کا نادر موقع ہاتھ آگیا -
اور انہوں نے پہلے سے زیادہ جوش و خروش سے
مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں اس واقعہ کو غزوہ
بدر کی فوری وجہ کہا جا سکتا ہے -

ابوسفیان کا قافلہ

قریش کی تجارت کا زیادہ تر انحصار شام کی تجارت پر
تھا - اور مکہ سے شام جاتے ہوئے مدینہ راہ میں پڑتا
تھا - اور یہ تجارتی شاہراہ مدینہ کے قریب سے
گزرتی تھی - چنانچہ دفاعی نقطۂ نظر سے قریش کے ان
قافلوں کی نگرانی بڑی ضروری تھی - اسی لئے آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا - کہ ابوسفیان
کی سرکردگی میں ایک تجارتی قافلہ شام سے واپس
آرہا ہے تو آپ نے اس قافلہ کی نگرانی بڑی ضروری
سمجھی - کیونکہ اس قافلہ کا مدینہ سے اس قدر قریب
ہو کر گزرنا خطرہ سے خالی نہ تھا - دوسرے قافلہ کی
روک تھام قریش کی خطرناک روایتوں سے روکنے
کا ایک مؤثر ذریعہ تھی - کیونکہ ان تجارتی قافلوں پر
ان کی معاشی زندگی کا دارومدار تھا - یہ بات بھی یاد
رکھنے کے قابل ہے کہ اس زمانہ میں قافلہ اگرچہ پچاس
ساٹھ آدمیوں پر مشتمل ہوتا تھا - لیکن اس کے ساتھ
دو تین سو سپاہیوں کا ایک حفاظتی دستہ بھی ہوتا
تھا - چنانچہ اس قافلہ کی تعداد بھی کوئی تین ساڑھے
تین سو کے لگ بھگ ہوگی - اور مورخین مغرب کا یہ
الزام کہ مسلمان قافلے کو لوٹنے کی غرض سے نکلے تھے
اس لحاظ سے بھی باطل ہو جاتا ہے - کیونکہ اتنے تھوڑے
آدمی اور پھر بالکل بے سروسامان اتنے بڑے مسلح
قافلے کو کس طرح لوٹ سکتے تھے - دوسرے یہ بات
بھی ان کے الزام کو رد کر دیتی ہے کہ مسلمان صرف
قافلہ کی روک تھام کے لئے ہی نہیں بلکہ کفار کے
لشکرِ جرار کا مقابلہ کرنے کے لئے بھی نکلے تھے - پس
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دو مہاجر صحابہ طلحہ بن
عبید اللہ اور سعید بن زید کو خبر رسانی کے لئے روانہ
فرمایا - اور دوسرے صحابہ کو بھی اطلاع دے دی -

ابوسفیان کو جب آپ کے ارادے کا علم ہوا تو
اس نے ضمضم نامی ایک قاصد مکہ بھجوا دیا - جس نے
وہاں جا کر خوب شور مچایا - ایک لشکرِ جرار مسلمانوں کو
مرعوب اور قافلہ کی حفاظت کے بہانے مکہ سے نکل
کھڑا ہوا - ابوسفیان تو راستہ بدل کر نکل گیا لیکن
کفار کا یہ لشکر مکہ سے بڑے جاہ و حشم کے ساتھ روانہ
ہوا - اور روانگی سے قبل کعبہ جا کر دعا کی "اے خدا!
ہم دونوں فریقوں میں سے جو فریق حق پر قائم ہے اور
تیری نظروں میں زیادہ شریف اور زیادہ افضل ہے
تو اس کی نصرت فرما اور دوسرے کو ذلیل و رسوا کر"
جب یہ لشکر جحفہ کے مقام پر پہنچا جو مکہ اور بدر کے
درمیان ہے تو انہیں ابوسفیان کے قاصد نے یہ خبر دی

کہ قافلہ صحیح سلامت واپس آگیا ہے۔ اب آگے جانے کی ضرورت نہیں۔ لیکن ابوجہل اور اس کی پارٹی مُصر رہی اور کہا " خدا کی قسم ہم بدر تک ضرور جائیں گے۔ اور وہاں جا کر تین دن تک جشن منائیں گے تا کہ ہمیشہ کے لئے ملک میں ہمارا رعب بیٹھ جائے۔ اور لوگ ہم سے ڈرنے لگ جائیں "

فریقین ۱۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم۔
۲۔ ابوجہل۔

تعداد ۔ کفار۔ ایک ہزار نفوس۔ اونٹ سات سو گھوڑے ایک سو۔ اور فوج کے سپاہیوں کی اکثریت زرہ پوش تھی۔

مسلمان :- ۳۱۳ نفوس جن میں ۸۶ مہاجر اور باقی انصار اونٹ صرف ۷۰۔ گھوڑے دو عدد اور ساری فوج میں صرف ۶ زرہ پوش تھے۔

شخصیات ۱۔ مسلمان۔ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم۔ حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت علیؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ۔ سعد بن معاذ رئیس اوس۔ زبیر بن العوام۔ سعد بن ابی وقاص اور حضرت حمزہ۔

کفار ۔ ابوجہل۔ عتبہ۔ شیبہ۔ ابوالبختری۔ عقبہ بن ابی معیط۔ حکیم بن حزام۔ نضر بن حارث۔ امیہ بن خلف۔ سہیل بن عمرو۔ نوفل بن خویلد۔ عباس بن عبدالمطلب (جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے)

اکابر صحابہ میں سے حضرت عثمان بن عفان اس غزوہ میں شامل نہیں ہوسکے کیونکہ ان ایام میں ان کی زوجہ حضرت رقیہ بنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سخت بیمار تھیں اس لئے ان کی تیمارداری کا آپؐ نے انہیں خود حکم دیا تھا

قبیلہ خزرج کے رئیس اعظم سعد بن عبادہ بیماری کی وجہ سے اور قبیلہ اوس کے رئیس اسیر بن الحضری کسی مجبوری کی وجہ سے شامل نہ ہوسکے۔ اسی طرح طلحہ بن عبیداللہ اور سعید بن زید چونکہ قافلہ کی خبررسانی سے واپس نہ لوٹے تھے اس لئے عملی طور پر اس غزوہ میں شریک نہ ہوسکے۔

ترتیب واقعات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو صحابہ ابوسفیان کے قافلہ کی دیکھ بھال کے لئے مقرر فرمائے تھے۔ وہ ابھی واپس نہیں ہوتے تھے۔ کہ کسی مخفی ذریعہ سے آپ کو اطلاع ملی کہ قریش کا ایک جرار لشکر مدینہ کی طرف آرہا ہے۔ چنانچہ اس وقت مسلمانوں کی کمزوری کے پیش نظر اور جنگی تدابیر۔ کے عام اصول کے مطابق یہ خبر مخفی رکھی گئی چند ایک صحابہؓ کے علاوہ کسی کو اس کا علم نہ تھا۔ آپؐ نے ایک ہوشیار اور بیدار مغز جرنیل کی طرح ایسے رنگ میں تحریک فرمائی کہ بہت سے صحابہ باوجود یہ خیال کرنے کے کہ یہ مہم صرف قافلہ کے لئے ہے جانے کے لئے تیار ہوگئے۔ حتیٰ کہ انصار جو کہ حسب معاہدہ عقبہ ثانیہ اس بات کے پابند نہ تھے۔ کہ آپؐ کے ساتھ چلتے وہ بھی آپؐ کے ہمراہ جانے کو تیار ہوگئے حالانکہ وہ صرف مدینہ پر حملہ کی صورت میں آپ کی حفاظت کے ذمہ دار سمجھے جاتے تھے۔

روانگی سے قبل آپ نے ایک مجلس قائم فرمائی۔ اور صحابہؓ سے مشورہ دریافت فرمایا۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے جان نثارانہ تقریریں کیں۔ سعد بن عبادہ رئیس خزرج نے بھی تقریر کی۔ اور عرض کیا کہ انصار خدمت کے لئے حاضر ہیں۔ آپ نے صحابہ میں عام تحریک فرمائی

تو انصار و مہاجرین کی ایک جمعیت آپؐ کے ساتھ نکلنے کو تیار ہو گئی۔ بعض خاص صحابہ جن کو قریش کے لشکر کا علم ہو چکا تھا۔ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی اہم ذمہ داری کے احساس سے متفکر تھے چنانچہ اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے سورۂ انفال میں خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ
لَکٰرِھُوْنَ۔

یعنی مدینہ سے آنحضرت صلے اللہ وسلم کے نکلنے کو مومنوں کا ایک فریق (اپنی ظاہری طاقت کا خیال کرتے ہوئے) پسند نہیں کرتا تھا۔

مدینہ سے تھوڑی دور نکل کر آپ نے صحابہ کو ڈیرے ڈالنے کا حکم فرمایا اور حسب دستور فوج کا جائزہ لیا۔ اور کم عمر بچوں کی واپسی کا حکم دیا۔ تو سعد بن ابی وقاص کے چھوٹے بھائی عمیر جو کم سن تھے۔ انہوں نے جب حکم سُنا تو رونے لگ گئے۔ اس پر آپؐ نے ان کے اس غیر معمولی شوق کو دیکھ کر اجازت دے دی۔ مدینہ سے نکل کر آپؐ نے حسب عادت عبداللہ ابن ام مکتوم کو امیر مقرر فرمایا۔ مگر چونکہ وہ آنکھوں سے معذور تھے۔ اور مدینہ پر حملہ کا خطرہ تھا اس لئے ۲-۳ میل کے فاصلہ پر روحا کے مقام پر آپؐ نے ابو جابر بن منذر کو امیر مقرر فرما کر واپس بھیج دیا۔ اور امام الصلوٰۃ عبداللہ بن ام مکتوم کو ہی رہنے دیا۔

اسی مقام سے آپؐ نے دو صحابیوں کو دشمن کی نقل و حرکت کا پتہ لگانے کے لئے دوڑایا۔ اور ابھی بدر کی وادی ایک منزل کے فاصلہ پر تھی کہ لشکر کے قریب آجانے کی اطلاع ملی۔ اب چونکہ اخفا کا وقت گذر تھا۔ آپؐ نے تمام صحابہ کو جمع کیا۔ اور لشکر کی اطلاع دیتے ہوئے مشورہ طلب فرمایا۔ بعض صحابہ نے کمزوری کا خیال کرتے ہوئے عرض کیا۔ کہ بہتر تھا کہ مقابلہ قافلہ سے ہی ہوتا۔ لیکن آپؐ نے اس رائے کو پسند نہ فرمایا دوسری طرف اکابر صحابہ نے یہ مشورہ سنتے ہی تقریریں شروع کر دیں۔ چنانچہ مقداد بن اسود نے کہا۔ "یا رسول اللہ ہم اصحاب موسیٰؑ کی طرح یہ نہیں کہتے کہ اِذْھَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَا اِنَّا ھٰھُنَا قَاعِدُوْنَ کہ جا تو اور تیرا رب جا کر لڑو۔ ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ بلکہ ہم تو آپ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی لڑیں گے۔ آگے بھی لڑیں گے پیچھے بھی لڑیں گے۔ اور یا رسول اللہ آپؐ تک کوئی نہیں پہنچ سکے گا۔ جب تک ہماری لاشوں کو روندتا ہوا نہ گزرے۔ آپؐ کو اس تقریر سے بے حد خوشی ہوئی۔ لیکن آپؐ انصار کا ارادہ معلوم کرنا چاہتے تھے کیونکہ آپؐ کو یہ خیال تھا کہ شاید انصار یہ سمجھتے ہوں۔ کہ بیعت عقبہ کے ماتحت ان کا فرض صرف اس قدر ہے۔ کہ مدینہ کے اندر اگر کوئی حملہ کرے تو وہ اس کا دفاع کریں گے۔ اسی لئے حضور بار بار فرماتے تھے۔ مجھے مشورہ دو کہ کیا کیا جائے۔ آخر سعد بن معاذ رئیس اوس آپؐ کا مطلب سمجھ گیا۔ اور کھڑے ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! شاید آپؐ ہماری رائے پوچھتے ہیں۔ خدا کی قسم ہم آپ کو سچا سمجھ کر آپؐ پر ایمان لائے ہیں۔ اور ہم نے اپنا ہاتھ آپؐ کے ہاتھ میں دے دیا ہے۔ اب آپؐ جہاں جائیں ہم آپؐ کے ساتھ ہیں اور قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ کو حق کے

ساتھ مبعوث کیا ہے کہ اگر سامنے سمندر ہو اور آپؐ ہمیں حکم دیں کہ اس میں کود جاؤ۔ تو ہم میں سے ایک فرد بھی پیچھے نہیں ہٹے گا۔ اور آپ انشاء اللہ ہمیں لڑائی میں صابر پائیں گے۔ اور ہم سے وہ بات دیکھیں گے جو آپؐ کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرے گی۔"

آپؐ نے یہ تقریر سُنی تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا۔ پھر اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو۔ اور خوش ہو کیونکہ اللہ تعالےٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ کفار کے ان دو گروہوں میں سے کسی ایک گروہ پر وہ ہمیں ضرور غلبہ دے گا۔ اور خدا کی قسم گویا میں وہ جگہیں دیکھ رہا ہوں جہاں دشمن کے آدمی قتل ہو کر گریں گے۔ اس کے بعد آپؐ نے بدر کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ جب قریب پہنچے تو حضرت علی اور حضرت زبیر بن العوام کو حالات معلوم کرنے کے لئے آگے روانہ فرمایا۔ جب یہ وادیٔ بدر میں پہنچے۔ تو کیا دیکھتے دیکھتے ہیں کہ مکہ کے کچھ لوگ ایک چشمہ سے پانی بھر رہے ہیں۔ انہوں نے ان پر حملہ کیا۔ اور ایک حبشی غلام کو پکڑ لیا۔ اور اُسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ جس سے آپؐ نے لشکر کی تفصیل دریافت فرمائی۔ آپؐ نے اس سے نرمی سے پوچھا کہ لشکر کہاں ہے اس نے کہا سامنے والے ٹیلے کے پیچھے ہے پھر اس سے لشکر کی تعداد پوچھی۔ تو اس نے کہا کہ پوری تعداد کا مجھے علم نہیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا۔ اچھا یہ بتاؤ کہ لشکر کے لئے روزانہ کتنے اونٹ ذبح کئے جاتے ہیں۔ اس نے کہا دس اونٹ ذبح کئے جاتے ہیں۔ تو آپؐ نے صحابہ کی طرف توجہ ہو کر فرمایا ایک ہزار آدمی معلوم ہوتے ہیں اور حقیقتاً وہ ایک ہزار ہی تھے۔ پھر آپؐ نے غلام سے فرمایا۔

ھٰذہٖ مکۃ قد القت الیکم افلاذ کبدھا

یعنی مکہ نے تمہارے سامنے اپنے جگر گوشے نکال کر ڈال دیئے ہیں۔

اس کے بعد آپؐ نے خباب بن منذر کے مشورہ سے قریب ترین چشمہ پر قبضہ کر کے لشکر اتار دیا۔ کفار پہلے سے ہی اہم مقامات پر قابض ہو چکے تھے۔ یہ میدان جس میں مسلمان اُترے تھے ریتلا تھا اور فوج کے پاؤں ریت میں دھنس جاتے تھے اور پانی کی بھی قلت تھی۔ جگہ کے انتخاب کے بعد سعد بن معاذ کی تجویز پر ایک سائبان (العریش) تیار کر دیا گیا۔ سعد نے اپنی سواری پاس باندھ دی اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپؐ سائبان میں تشریف رکھیں۔ ہم اللہ کا نام لے کر دشمن سے مقابلہ کرتے ہیں۔ سعد کا خیال تھا کہ خطرہ کے وقت وہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کو سوار کر کے مدینہ پہنچا دیں گے۔ لیکن یہ تو سعد کا اپنا اخلاص تھا۔ ورنہ خدا کا نبی میدان جنگ سے کبھی بھاگ نہیں سکتا۔ جیسا کہ غزوہ حنین میں ہوا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سائبان میں تشریف فرما ہوئے۔ اور سعد اور دوسرے صحابہ ارد گرد پہرہ دینے لگے۔ آپؐ کے ساتھ ابو بکرؓ بھی تھے۔ رات بہت دعا فرمائی۔ آپؐ رات بھر جاگتے رہے۔ لیکن باقی صحابہ اطمینان سے سوئے رہے خدا کے فضل سے رات بارش ہو گئی۔ اور مسلمانوں کے لئے ریت بیٹھنے کی وجہ سے آسانی پیدا ہو گئی۔ اور دشمن کے لئے میدان میں کیچڑ ہو گیا۔ جس کی وجہ سے

ان کی نقل وحرکت میں دشواری پیدا ہو گئی۔

رمضان المبارک کی سترہ[۱۷] تاریخ اور جمعہ کا دن تھا کہ صبح کی نماز کے بعد آپؐ نے جہاد پر ایک خطبہ دیا۔ اس کے بعد تیر کے اشارے سے صفوں کو درست کرنا شروع فرمایا۔ اتفاق سے تیر کی لکڑی سوآد نامی ایک صحابی کے سینے پر جا لگی۔ تو اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپؐ کو خدا نے حق وحکمت کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ واللہ میں تو اس کا بدلہ لوں گا۔ صحابہ حیران تھے۔ کہ سوآد کو کیا ہو گیا ہے۔ آپؐ نے نہایت شفقت سے فرمایا۔ اچھا سواد تم بھی مجھے تیر مار لو آپؐ نے اپنے سینہ سے کپڑا اٹھا دیا۔ سواد نے فرطِ محبت میں آگے بڑھ کر آپؐ کا سینہ چوم لیا۔ آپؐ نے مسکرا کر پوچھا سوآد یہ تمھیں کیا سوجھی تو سوآد نے رقت بھری آواز میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ دشمن سامنے ہے مجھے خبر نہیں کہ یہاں سے بچکر جانا نصیب ہے یا نہیں اس لئے میں نے چاہا۔ کہ شہادت سے پہلے آپؐ کے جسم سے اپنا جسم چھو جاؤں۔

اسی اثناء میں دو صحابی حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا۔ کہ ہم مکہ سے آ رہے ہیں۔ قریش ہمیں آنے نہیں دیتے تھے۔ لیکن انہوں نے زبردستی یہ عہد لیکر چھوڑا ہے۔ کہ ہم آپؐ کے ساتھ ہو کر ان سے جنگ نہیں کریں گے۔ آپؐ نے فرمایا۔ پھر جاؤ اور اپنے عہد کو پورا کرو۔ ہم اللہ ہی سے مدد چاہتے ہیں اور اس کی نصرت پر بھروسہ ہے۔

اب فوجیں ایک دوسرے کے سامنے تھیں۔ ترتیب ایسی تھی۔ کہ اسلامی لشکر قریش کو اپنی اصلی تعداد سے زیادہ بلکہ دگنا نظر آتا تھا اور قریش کا لشکر مسلمانوں کو اپنی اصل تعداد سے کم نظر آتا تھا۔ جیسا کہ سورۃ آل عمران میں مذکور ہے۔ قریش نے عمرو بن وہب کو اسلامی لشکر کی تعداد اور کسی مخفی کمک کے بارے میں معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ اس نے گھوڑا دوڑا کر اسلامی لشکر کا جائزہ لیا۔ تو سخت مرعوب ہو کر قریش سے کہنے لگا۔ ما رأیت شیئًا ولکنی قد رأیت یا معشر قریش البلایا تحمل المنایا نواضح یثرب تحمل الموت الناقع۔ مجھے کوئی مخفی کمک وغیرہ تو نظر نہیں آئی۔ لیکن اے معشر قریش میں نے دیکھا ہے کہ مسلمانوں کے لشکر میں گویا اونٹوں کے کجاووں نے اپنے اوپر آدمیوں کو نہیں بلکہ موتوں کو اٹھایا ہوا ہے اور یثرب کی سانڈنیوں پر گویا ہلاکتیں سوار ہیں۔ عمرو کے یہ الفاظ سُنکر قریش کچھ گھبرائے اور متذبذب نظر آنے لگے۔ اس پر ابوجہل نے موقعہ سے فائدہ اٹھایا۔ اور عمرو بن الحضرمی کے بھائی عامر کو بلا کر کہا کہ قریش کے ارادوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے بھائی کا بدلہ ہاتھ سے نکلا جاتا ہے۔ یہ سُنکر عامر کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اور اس نے عرب کے دستور کے مطابق کپڑے پھاڑ دیئے۔ اور زور زور سے واعمراہ! واعمراہ! ہائے افسوس! ہائے افسوس! میرا بھائی بغیر انتقام کے جا رہا ہے۔ کہہ کر چلّانا شروع کیا۔ اس درد انگیز واویلا سے قریش کے سینوں میں عداوت وانتقام کے شعلے بھڑک اُٹھے اور وہ فوراً لڑائی کے لئے آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ دستور کے مطابق عتبہ شیبہ اور ولید نے آگے بڑھ کر انفرادی مقابلہ کی دعوت دی۔ انصار کے چند نوجوان مقابلہ کے لئے بڑھے مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انہیں روک دیا۔

اور فرمایا۔ علی تم اُٹھو۔ حمزہ تم اُٹھو۔ عبیدہ تم اُٹھو۔
پہلے ان کی آپس میں روشناسی ہوئی۔ پھر مقابلہ شروع
ہوا۔ عبیدہ بن عبدالمطلب ولید کے مقابلہ پر اور حمزہ
عتبہ کے اور علی شیبہ کے مقابلہ کے لیئے تیار ہو گئے۔
حمزہ اور علی نے اپنے مدمقابل کو مار گرایا لیکن عبیدہ
اور ولید دونوں ایک دوسرے کی ضربوں سے زخمی ہوکر
گرے تو حمزہؓ اور علیؓ نے فوراً آگے بڑھ کر ولید کا
خاتمہ کر دیا۔ لیکن عبیدہ جانبر نہ ہو سکے۔

اس انفرادی مقابلہ کے بعد آپ نے مسلمانوں
کو کچھ نصائح فرمائیں اور خود سائبان میں تشریف لے
گئے تھوڑی دیر بعد لشکر کفار نے تمام دھاوا بول
دیا۔ آپؐ نے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔

اللّٰھم انی انشدک عھدک
ووعدک اللّٰھم ان تھلک
ھذہ العصابۃ من اھل الاسلام
لا تعبد فی الارض۔

"اے میرے خدا اپنے وعدوں کو پورا فرما۔ اے میرے
مالک اگر مسلمانوں کی یہ جماعت آج اس میدان میں
ہلاک ہو گئی تو دنیا میں تجھے پوجنے والا کوئی نہیں رہے گا۔"

اس موقعہ پر ابوجہل نے بھی دعا کی کہ "اے
ہمارے رب اگر محمدؐ کا لایا ہوا دین سچا ہے تو ہم پر
آسمان سے پتھروں کی بارش برسا یا کسی اور دردناک
عذاب سے ہمیں تباہ و برباد کر دے۔"

لڑائی ہوئی اور خوب ہوئی۔ مہاجرین اپنے باوجود
کم تعداد اور کم اسباب کے کفارِ مکہ کی صفیں کاٹ کر
رکھ دیں اور انصار کے جوش کا یہ عالم تھا۔ کہ حضرت
عبدالرحمن بن عوف بیان کرتے ہیں کہ میں گھمسان کے
رن میں جب میں نے اپنے دائیں بائیں نگاہ ڈالی۔ تو
کیا دیکھتا ہوں کہ میرے پہلو بہ پہلو انصار کے دو نوعمر
نوجوان کھڑے ہیں انہیں دیکھ کر میرا دل سینہ میں
بیٹھ گیا۔ کیونکہ ایسے معرکوں میں آس پاس کے
ساتھیوں پر لڑائی کا بہت انحصار ہوتا ہے۔ مگر یہ دیکھ کر
میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ ایک نوجوان نے
آہستہ سے مجھے کہنی مار کر کہا۔ چچا وہ ابوجہل کہاں ہے؟
جو مکہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دکھ دیا کرتا
تھا۔ میں نے خدا سے عہد کیا ہوا ہے کہ یا تو اسے قتل
کروں گا۔ یا اسی کوشش میں مارا جاؤں گا۔ کہتے ہیں
ابھی میں جواب نہ دینے پایا تھا۔ کہ دوسرے نے بھی
میرے پہلو میں کہنی ماری اور یہی سوال کیا۔ ان کی
اس دلیری پر میں حیران رہ گیا۔ کہتے ہیں میں نے ان
کے اس سوال پر انگلی اٹھائی اور کہا وہ شخص جو سر سے
پیر تک مسلح ہے۔ اور دشمن کی صفوں کے پیچھے کھڑا
ہے اور جس کے آگے دو تجربہ کار جرنیل ننگی تلواریں
لیئے کھڑے ہیں۔ وہ ابوجہل ہے۔ (وہ کہتے ہیں میری
انگلی ابھی نیچے نہیں گری تھی کہ دونوں لڑکے جس
طرح عقاب چڑیا پر حملہ کرتا ہے اس طرح جھپٹتے
ہوئے کفار کی صفوں میں گھس گئے۔ اس کے پہرہ داروں
نے ان پر وار کیئے لیکن کچھ پروا نہ کی اور ابوجہل پر
اس زور سے حملہ کیا کہ وہ زمین پر گر پڑا۔

چنانچہ مہاجرین اور انصار بڑے جوش و خروش
سے مقابلہ کر رہے تھے لیکن دشمن کی کثرت کے آگے
کچھ پیش نہ جاتی تھی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
برابر دعا میں مصروف تھے۔ آپؐ کا اضطراب بڑھ
رہا تھا۔ آخر آپؐ اٹھے اور پہلے سے نازل شدہ خدائی

بشارت فرمائی - سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ
الدُّبُرَ (انفال) کہ کفار کی فوج کو شکست ہوگی
اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے - آپؐ سائبان
سے باہر تشریف لاتے پہلے ادھر ادھر نظر دوڑائی
اور بڑے جوش سے فرمایا "شَاهَتِ الْوُجُوْه" -
یعنی دشمن کے منہ بگڑ گئے - ساتھ ہی زور سے مسلمانوں
کو فرمایا حملہ کر دو - مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر بلند کرتے
کرتے ہوئے آپؐ کی اس آواز پر حملہ بول دیا - دوسری
طرف جب آپؐ نے مٹھی بھر کر ریت پھینکی تو آندھی
کا ایک ایسا جھونکا آیا - کہ کفار کی آنکھیں ناک اور
منہ کنکر اور ریت سے بھر گئے - آپؐ نے فرمایا یہ خدائی
فرشتوں کی فوج ہے جو ہماری نصرت کو آئی ہے -
قریش کے پاؤں اکھڑ چکے تھے - لشکر میں بھاگڑ پڑ گئی
اور آن واحد میں میدان جنگ صاف ہوگیا -

نتائج ۱ - کفار کو شکست فاش ہوئی - اور
باوجود تھوڑی تعداد کے مسلمان
غالب آئے اور قریش مکہ کے بڑے بڑے سردار
اس لڑائی میں کام آئے اور یقطع دابر الکافرین
کی ہیبت ناک تفسیر سامنے آئی - مسلمان صرف چودہ
شہید ہوئے - چھ مہاجرین میں سے اور باقی انصار میں سے
تھے - انہی شہداء میں وہ بچہ عمیر بھی تھا جس نے
رو کر ساتھ چلنے کی اجازت طلب کی تھی -

۲ - خدائی بشارات پوری ہوئیں اور اسلام کی
صداقت ظاہر ہوئی - مسلمانوں کا رعب طاری ہوگیا
اور ان کی ہمتیں بلند ہوئیں - اور ان کے اندر خود اعتمادی
پیدا ہوگئی -

۳ - قیدیوں کے ساتھ نیک سلوک کی مثالیں
قائم ہوئیں - قیدیوں کو جن کی تعداد ستر تھی - مسلمانوں
میں بانٹ دیا گیا - آپؐ نے تاکید فرمائی کہ قیدیوں کے
ساتھ نرمی اور شفقت کا سلوک کیا جائے - صحابہ نے
اس حکم پر اس خوبی سے عمل کیا کہ دنیا میں اس کی
مثال تلاش کرنا بے سود ہے - چنانچہ ایک قیدی ابوعزیز
بن عمیر نے بیان کیا - کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کے حکم کی وجہ سے انصار مجھے پکی ہوئی روٹی دیتے
تھے لیکن خود کھجور وغیرہ کھا کر گزارہ کرتے تھے -
اور کئی دفعہ ایسا ہوتا کہ ان کے پاس روٹی کا چھوٹا
ٹکڑا بھی ہوتا - تو مجھے دے دیتے - اور خود نہیں
کھاتے تھے - اور اگر میں کبھی شرم کی وجہ سے واپس
کر دیتا تھا - تو وہ اصرار کے ساتھ پھر مجھ کو دے
دیتے تھے -

فدیہ لے کر قیدی رہا کر دیئے گئے ہر شخص
کے مناسب حال ایک ہزار سے چار ہزار تک فدیہ
مقرر کیا گیا - غریب قیدی بطور احسان رہا کر دیئے
گئے - اور جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے - انہیں دس دس
آدمیوں کو لکھنا پڑھنا سکھانے کی شرط پر رہا کر دیا
گیا - قیدیوں کے ساتھ یکساں سلوک کیا گیا - چنانچہ
روایت آتی ہے کہ حضرت عباس قیدیوں کے ساتھ مسجد
نبوی میں ایک ستون سے بندھے ہوتے تھے تو ان کے
کراہنے کی آواز سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو
نیند نہیں آتی تھی - انصار کو معلوم ہوا تو انہوں نے
ان کے بندھن ڈھیلے کر دیئے - آپؐ کو معلوم ہوا تو
آپؐ نے فرمایا کہ اگر ڈھیلے کرنے ہیں تو سب کے
بندھن ڈھیلے کرو - چنانچہ تمام قیدیوں کے بندھن
ڈھیلے کر دیئے گئے -

۴۔ بدوی صحابہ اسلامی سوسائٹی کے اعلیٰ رکن بن گئے۔

۵۔ کفار کے گھروں میں صف ماتم بچھ گئی اور وہ پھر مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ اور ان کی یہ مخالفت پہلے سے زیادہ خطرناک صورت اختیار کر گئی۔

۶۔ جنگ میں پہلی مرتبہ صلح و جنگ کے متعلق قوانین مرتب کرنے کی صورت پیش آئی۔ اس طرح اسلام میں پہلی مرتبہ بین الاقوامی قوانین کی بنیاد پڑی۔

بدر کے نتائج پر بحث کرتے ہوئے سر ولیم میور دشمن اسلام لکھتا ہے:۔

"بدر کے حالات میں ایسی باتوں کا بہت کچھ عنصر نظر آتا ہے۔ جس کی وجہ سے محمد صاحب اس فتح کو جائز طور پر خدائی تقدیر کا کرشمہ شمار کر سکتے تھے۔ نہ صرف یہ کہ یہ فتح بہت نمایاں اور فیصلہ کن تھی۔ بلکہ اس جنگ میں غیر معمولی طور پر محمد صلعم کے اکثر بااثر دشمن خاک میں مل گئے تھے۔ ان رؤساء مکہ کے علاوہ جو جنگ میں قتل کئے گئے یا قید کر لئے گئے تھے ابولہب جو جنگ میں شامل نہیں ہوا تھا وہ بھی قریش کی بھگوڑی فوج کے مکہ پہنچنے کے چند دن بعد ہی مکہ میں مر گیا گویا کہ وہ خدائی حکم جس کی مار رؤساء مکہ پر پڑی ایک اٹل تقدیر تھی"۔

(سیرت خاتم النبیین جلد دوم صفحہ ۱۲۵ مؤلفہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ)

الٰہی نوشتوں میں خبر

ہجرت سے قبل سورہ قمر کی ان آیات میں خدا تعالیٰ نے اس عظیم فتح کی خبر دی تھی۔ اور یہ سورۃ اسلامی روایات کے مطابق ہجرت سے قبل مکہ میں نازل ہوئی تھی چنانچہ یورپین مورخین نولڈکے اور ریورنڈ ویری نے بھی اس کی تصدیق کی ہے۔

وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ۝ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كُلِّهَا فَأَخَذْنَاهُمْ أَخْذَ عَزِيزٍ مُقْتَدِرٍ ۝ أَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِنْ أُولَٰئِكُمْ أَمْ لَكُمْ بَرَاءَةٌ فِي الزُّبُرِ ۝ أَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُنْتَصِرٌ ۝ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ۝ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ ۝ إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ۝ يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ ۝

یعنی اے مکہ والو! فرعون کی طرف بھی انذار کی باتیں آئی تھیں۔ لیکن انہوں نے ہماری تمام آیتوں کا انکار کیا۔ پس ہم نے ان کو اس طرح پکڑ لیا جیسے ایک طاقتور غالب ہستی پکڑا کرتی ہے۔ (اے مکہ والو) بتاؤ کیا تمہارے کفار ان (کفار) سے اچھے ہیں۔ یا تمہارے لئے پہلی کتابوں میں حفاظت کا کوئی وعدہ آچکا ہے۔ وہ کہتے ہیں ہم تو ایک بڑی طاقت ہیں دشمنوں سے ڈرتی نہیں بلکہ دشمنوں سے بدلے لیا کرتی ہے۔ (وہ یہ باتیں کرتے ہیں) ان کے جتھے عنقریب اکٹھے ہونگے اور پھر انہیں شکست ملے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے بلکہ انکی

تباہی کی گھڑی کا خدا تعالیٰ کی طرف سے وعدہ ہے
اور یہ تباہی کی گھڑی ہلاکت والی اور بڑی کڑوی
ہوگی اس دن مجرم پریشان اور عذاب میں مبتلا ہوں گے
اور اپنے مونہوں کے بل گھسیٹ کر ان کو آگ کے
گڑھوں میں ڈال دیا جائے گا۔ اور کہا جائے گا اب
پڑے عذاب چکھو۔

(دیباچہ تفسیر القرآن صفحہ ۱۹۲)

چنانچہ یسعیاہ نبی کی کتاب میں جنگ بدر کے
بارے میں ان الفاظ میں پیشگوئی پائی جاتی ہے۔
"عرب کے صحرا میں تم رات کاٹو گے اے
ددانیوں کے قافلو! پانی لے کر پیاسے
کا استقبال کرنے آؤ۔ اے تیما کی سرزمین
کے باشندو! روٹی لے کر بھاگنے والے
کے ملنے کو نکلو کیونکہ وہ تلواروں کے سامنے
سے ننگی تلوار سے اور کھچی ہوئی کمان
اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں کیونکہ
خداوند نے مجھ سے یوں فرمایا۔ ہنوز ایک
برس ہاں مزدور کے سے ٹھیک ایک برس
قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی اور
تیر اندازوں کی جو باقی رہی۔ قیدار کے
بہادر لوگ گھٹ جائیں گے کہ خداوند
اسرائیل کے خدا نے یوں فرمایا"

الغرض الٰہی نوشتوں کی یہ دونوں پیش خبریاں
روز روشن کی طرح پوری ہوئیں۔

سیرت نبوی کا جو پہلو اجاگر ہوا۔

جنگ بدر سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کی سیرت کے بہت سے پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔

۱۔ خدائی وعدوں پر پختہ یقین
۲۔ صحابہ کی فدائیت حضرت موسیٰ اور آپ کی قوت قدسیہ کا مقابلہ۔
۳۔ قیدیوں سے حسن سلوک کا بے مثال نمونہ۔
۴۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایک اعلیٰ کمانڈر کی حیثیت سے۔
۵۔ عہد کی پابندی۔

پس غزوۂ بدر تاریخ اسلام کا ایک اہم واقعہ ہے
جس کے نتیجہ میں اسلام کی جڑیں مضبوط ہوگئیں۔ اور مدینہ
میں ایک آزاد مسلمان ریاست کا قیام ممکن ہوگیا۔

"وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں ایک
عجیب ماجرا گذرا کہ لاکھوں مردے تھوڑے
دنوں میں زندہ ہوگئے۔ اور پشتوں
کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے
اور آنکھوں کے اندھے بینا ہوئے
اور گونگوں کی زبان پر الٰہی معارف
جاری ہوئے اور دنیا میں یک دفعہ ایک
ایسا انقلاب پیدا ہوا۔ کہ نہ پہلے
اس سے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی
کان نے سُنا۔ کچھ جانتے ہو کہ وہ کیا
تھا؟ وہ ایک فانی فی اللہ کی اندھیری
راتوں کی دعائیں ہی تھیں۔ جنہوں نے
دُنیا میں شور مچا دیا"

فوجی انقلاب شیخ نصیر الدین ایم۔اے

نائیجیریا میں کیا ہُوا؟

نائیجیریا میں موجودہ فوجی انقلاب کا تفصیلی پس منظر تو ایک لمبی داستان ہے اس جگہ پہلے نائیجیریا کا مختصر تعارف کرایا جائے گا۔ اس کے بعد مذہبی پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے چند باتیں بیان کی جائیں گی۔ اور پھر موجودہ فوجی انقلاب کا نہایت مختصر پس منظر پیش کیا جائیگا۔

نائیجیریا کا تعارف

نائیجیریا مغربی افریقہ میں جنوبی ساحل پر مشرقی جانب سے انگریزوں کی پہلی نوآبادی تھی۔ جو یکم اکتوبر ۱۹۶۰ء کو مکمل طور پر آزاد کر دی گئی۔ لیگوس اس کا دارالحکومت ہے۔

رقبہ:۔

رقبہ اور آبادی کے لحاظ سے نائیجیریا افریقہ میں سب سے بڑا ملک ہے۔ آبادان جو مغربی نائیجیریا کا دارالحکومت ہے قاہرہ کے بعد افریقہ میں سب سے بڑا شہر ہے۔ اس کی آبادی ۱۵ لاکھ کے قریب ہے۔ یہ یہ ملک رقبہ میں مملکت برطانیہ سے چار گنا اور پاکستان کے تقریباً برابر ہے۔ پاکستان کا کل رقبہ (مشرقی اور مغربی پاکستان) ۳،۶۰،۰۰۰ (۳ لاکھ ساٹھ ہزار) مربع میل ہے۔ نائیجیریا کا کل رقبہ۔ کیمران علیحدہ ہونے سے قبل ۳،۷۰،۰۰۰ (۳ لاکھ ستر ہزار) مربع میل تھا۔ لیکن اب ۳،۳۸،۰۰۰ (۳ لاکھ اڑتیس ہزار) مربع میل ہے۔

آبادی:۔ ۱۹۵۲-۵۳ء کی مردم شماری کے مطابق نائیجیریا کی کل آبادی ۳۱،۶۲۶ ملین (تین کروڑ بارہ لاکھ ساٹھ ہزار) تھی۔ اس کی علاقائی تقسیم حسب ذیل تھی:۔

شمالی نائیجیریا۔	۱۶،۶۹
مشرقی نائیجیریا۔	۸،۶۰
مغربی نائیجیریا۔	۶،۳۶
کل۔	۳۱،۶۲۶ ملین

یہ آبادی اُس وقت لندن کی آبادی کا صرف اڑھائی گنا تھی۔ ۱۹۶۲/۶۳ء کی مردم شماری کے مطابق نائیجیریا کی موجودہ آبادی ۵۰ سے ۵۵ ملین کے درمیان بتائی جاتی ہے۔ (یعنی پانچ سے ساڑھے پانچ کروڑ تک) اس میں سے شمالی نائیجیریا کی آبادی تقریباً ۳۰ ملین ہے۔ آج کل لیگوس اور ملحقہ علاقہ کی آبادی ۹ لاکھ کے قریب ہے۔

وجہ تسمیہ

اوّل۔ نائیجیریا کی وجہ تسمیہ ایک یہ بتائی جاتی ہے کہ یہ نام نائیجیر یا دریا سے لیا گیا ہے۔ یہ نائیجیریا کا سب سے بڑا دریا سارے افریقہ میں لمبائی کے لحاظ سے تیسرے درجہ پر ہے۔ جس زبان سے یہ نام

لیا گیا ہے۔ اس میں نائیجر کے معنے The great river بتائے گئے ہیں (یعنی بہت بڑا دریا)

دوم:۔ دوسری وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ یہ نام مغربی سوڈان کے قدیمی نام NIGRITIA سے لیا گیا ہے۔ جس کے معنے The country of the black races کے ہیں۔ (یعنی کالی نسلوں کا ملک) گویا یہ لفظ NEGRO سے بنا ہے۔

باشندے:۔ یہاں کے ابتدائی باشندے West African Negros کہے جا سکتے ہیں لیکن یہاں کی ابتدائی نسل مختلف بیرونی قوموں سے ملنے کی وجہ سے تقریباً نابود ہو چکی ہے۔ اس وقت زیادہ سے زیادہ خالص نیگرو نسل جنوب مشرقی نائیجیریا کے ایک خاص علاقہ میں ملتی ہے۔

شمالی نائیجیریا کے قبائل

شمالی نائیجیریا میں چار اہم قدیمی قبائل ہیں۔ جنہوں نے وقتاً فوقتاً ابتدائی شمالی نائیجیریا میں اور پھر باقی نائیجیریا میں انقلاب برپا کئے اور اپنے کلچر سے اس ملک کو بہت متاثر کیا۔

۱۔ فولانی (FULANI) یہ قوم سارے شمالی نائیجیریا میں پھیلی ہوئی ہے۔ گو تعداد کے لحاظ سے دوسری قوموں کی نسبت بہت کم ہے۔ گذشتہ فوجی انقلاب میں شہید ہونے والے شمالی نائیجیریا کے وزیر اعظم سر احمدو بیلو اسی قوم سے تھے۔ یہ فولانی اقتدار کے بانی اور نائیجیریا میں مجدد عثمان ڈان فوڈیو کے پوتے تھے۔

۲۔ ہاؤسا (HAUSA) یہ ۱۰۰۰ سن عیسوی سے قبل ایک زبردست سیاسی یونٹ تھا۔ اور کسی وقت نائیجیریا سے سیرالیون (مغربی افریقہ کے مغربی ساحل پر) تک ایک ہی "ہاؤسا مملکت" تھی۔ جو غانا کے نام سے پکاری جاتی تھی۔

۳۔ کانوری (KANURI) یہ شمال مشرقی نائیجیریا میں ایک مضبوط اور بلند قامت قوم ہے۔ یہ لوگ عربی زبان میں وہاں سب سے زیادہ ماہر ہیں۔

۴۔ شووا عرب (SHUWA ARABS)
یہ قوم شمال مشرقی نائیجیریا میں غالباً بحر روم کے قریب سے آکر جھیل چاڈ (LAKE CHAD) کے گرد آباد ہوئی۔

جنوبی نائیجیریا کے قبائل

چھوٹے بڑے قبائل تو جنوبی نائیجیریا میں بہت سے ہیں۔ لیکن اس ملک پر انگریزوں کے تسلط کے آغاز سے متعلقہ تاریخ میں سب سے پہلی قوم جس سے انگریزوں کو واسطہ پڑا BENIN ہے۔ یہ موجودہ مڈ ویسٹرن نائیجیریا (MID WESTERN) میں ہے۔ انگریزوں کے تسلط کے بعد کی سیاسی تاریخ میں شمالی ہاؤسا قبیلہ کی طرح جو قبائل سب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں وہ یہ ہیں:۔

۱۔ یوربا	YORUBA
۲۔ ابو	IBU
۳۔ بینی	BENIN

زبانیں:۔ ان کی زبانوں کے نام بھی یہی ہیں۔ نائیجیریا کی جو زبان سارے مغربی افریقہ میں بولی اور سمجھی جاتی ہے وہ ہاؤسا ہے۔ کیونکہ یہ قوم قدیم زمانہ

ہیں سارے مغربی افریقہ میں پھیلی ہوئی تھی۔ (بشمولیت
فرانسیسی ممالک)

لیکن نائیجیریا کی حدود میں تعداد اور رقبہ
کے لحاظ سے سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان
YORUBA ہے۔

انگریزوں کی آمد کے بعد ابو (IBU) قوم
تعلیم۔ فنون۔ حرفت۔ تجارت۔ سول سروس۔ پولیس
اور فوج کے اعلیٰ RANKS میں پیش پیش رہی ہے۔

مشرقی افریقہ کی سواحیلی زبان کی طرح نائیجیریا
اور مغربی افریقہ کے کسی ملک میں کوئی قومی زبان
(Langua Franca) نہیں ہے ایک
قبیلہ کے لوگ دوسرے قبیلہ سے انگریزی میں ہی
بات کرتے ہیں۔

مذہبی پہلو

گو اس وقت نائیجیریا کا باغی عنصر اور وہاں کے
عیسائی مشنری دنیا کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں۔ کہ شمالی
نائیجیریا تمام کا تمام مسلمان ہے اور جنوبی نائیجیریا تمام
کا تمام عیسائی۔ چنانچہ ایسے پراپیگنڈہ کے ذریعہ انہوں
نے عیسائی دنیا سے کروڑہا کروڑ روپے اور بے شمار
ہتھیار فیڈرل حکومت سے لڑنے کیلئے حاصل کئے

لیکن دراصل نہ ہی سارا شمالی مسلمان اور
سارا جنوب عیسائی ہے۔ اور نہ ہی موجودہ کشمکش مذہب
کی بناء پر ہے۔ بلکہ یہ ایک قبائلی طاقتوں کی دوڑ ہے۔
شمالی نائیجیریا کے جنوبی حصہ میں عیسائیوں کی
ایک بھاری تعداد آباد ہے۔ اور جنوبی نائیجیریا کے
مغربی صوبہ میں مسلمانوں کی تعداد ۶۵ فیصد سے بھی
زیادہ ہے۔

اور جس طرح سوائے چند کٹر عیسائیوں اور عیسائی
مشنریوں کے عام عیسائیوں کو سیاست کے میدان
میں مذہب سے کوئی سروکار نہیں اسی طرح جنوبی نائیجیریا
کے مسلمان بھی قبائلی جتھہ بندی میں اپنے کٹر عیسائی
راہنماؤں کی پرجوش حمایت کرتے ہیں۔

جہاں تک تعداد کا تعلق ہے گو ہمارے اپنے
اندازے کے مطابق سارے ملک میں مسلمانوں کی
تعداد ۷۰ فیصد کے لگ بھگ ہے۔ اور گو اس ملک
کا وزیر اعظم (شہید سر ابو بکر طفاوا بالیوا) مسلمان
تھا اور پارلیمنٹ میں اکثریت والی برسر اقتدار پارٹی
کا لیڈر (سر احمدو بیلو (شہید) بھی ایک کٹر مسلمان
اور ورلڈ اسلامک لیگ کا وائس پریذیڈنٹ تھا لیکن
عملاً ہر میدان میں اقتدار عیسائیوں کے ہاتھ میں
رہا۔ فوج میں چوٹی کے افسر ۷۵ فیصد عیسائی IBOS
تھے۔ اور لڑنے والے فوجیوں میں بھی (جن کی اکثریت
شمالی نائیجیریا سے تھی) بھاری اکثریت عیسائیوں
کی تھی۔ اسی طرح پولیس کی تقریباً ساری طاقت
عیسائیوں کی تھی۔ اُدھر سول سروس میں اعلیٰ اور
وسطی درجہ کی ملازمتوں میں بھی عیسائیوں کا غلبہ تھا۔
اور سارے ملک کی تجارت بھی (بشمولیت شمالی
نائیجیریا) IBO عیسائیوں کے ہاتھ میں تھی۔ اسی طرح
تقریباً سارے ملک کی تعلیمی باگ ڈور عیسائیوں
کے سپرد تھی۔

اور تو اور موجودہ دوسرے فوجی انقلاب کے
بعد بھی (جس میں فوجی طاقت کے لحاظ سے شمالیوں
کی بالادستی تسلیم کر لی گئی ہے) ملٹری حکمرانوں اور

سول کمشنروں میں ۷۵ فیصد تعداد عیسائیوں کی ہے ملٹری کونسل کا پریذیڈنٹ یعقوبو گون (YAKUBO GOWON) اور دالیس پریذیڈنٹ (جو کمشنر آف فائیننس بھی ہے)، دونوں عیسائی ہیں۔

ملک کے ۱۲ گورنروں میں سے صرف ۴ مسلمان ہیں۔ اسی طرح ۱۲ سول کمشنروں میں سے بھی صرف ۴ ہی مسلمان ہیں۔ امور خارجہ اور مالیات کے کمشنر بھی عیسائی ہیں۔

ابتداءً مشرقی نائیجیریا کے IBO باغیوں کو یقین تھا۔ کہ وہ باقی نائیجیریا کی فیڈریشن میں مذہبی انتشار پھیلانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اور فوج میں عیسائی مسلمان کے باہمی خلفشار کے نتیجہ میں وفاقی حکومت کا انتظام درہم برہم ہو جائے گا۔ لیکن موجودہ حکومت میں عیسائی حاکموں کی اکثریت نے دنیا کے سامنے باغیوں کے منہ بند کر دیئے ہیں۔

فوج میں مذہبی خلفشار کا امکان اس لئے بھی کم ہو گیا۔ کہ حکومت کا سربراہ یعقوبو گون (YAKOBU GOWON) خود شمالی نائیجیریا کے اس علاقہ سے ہے جس کے عیسائی باشندوں کی فوج میں اکثریت ہے۔

فوجی انقلاب کا مختصر پس منظر

انگریزوں نے ملک کی تقسیم اس طریق سے کر رکھی تھی کہ پارلیمنٹ میں شمالی اور جنوبی نائیجیریا سے نمائندوں کی تعداد متوازن رہے۔ لیکن بعد میں جب جنوبی نائیجیریا مشرقی اور مغربی دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ جبکہ شمال (جو رقبہ کے لحاظ سے جنوب سے کئی گنا زیادہ تھا۔) بطور ایک ہی یونٹ کے قائم رہا۔ تو مشرقی اور مغربی نائیجیریا والوں کو اپنی اقلیت کا احساس بڑھنے لگا۔

خود شمالی نائیجیریا کے بعض علاقوں میں بے اطمینانی تھی۔ اور وہ ہاؤسا تسلّط سے نجات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ لیکن دوسری طرف مشرقی نائیجیریا کے ساحلی علاقے ابو (IBO) تسلط سے آزاد ہو کر ایک الگ ریجن کے قیام کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اور مغربی نائیجیریا کے انتہائی مشرقی حصّہ کے لوگ بھی ایک مڈ ویسٹ ریجن کے قیام کا مطالبہ کر رہے تھے۔

آزادی کے بعد مغرب میں تو مڈ ویسٹ ریجن کا قیام عمل میں آ گیا۔ لیکن مشرقی اور شمالی اقلیتوں کی شنوائی نہ ہوئی۔

معاشی اور ثقافتی لحاظ سے شمالی نائیجیرین اور جنوب میں مغربی نائیجیرین ایک دوسرے کے بہت قریب تھے۔ جبکہ مشرقی نائیجیرین اور شمالی نائیجیرین ایک دوسرے سے ہر لحاظ سے مختلف تھے۔

مشرقی والوں کو یہ اندیشہ تھا کہ اگر مغرب والوں کا شمالی والوں سے الحاق ہو گیا۔ تو وہ دونوں مل کر مشرق کو دبانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ لہذا انہوں نے ایک طرف تو اپنے پروپیگنڈا کے ذریعہ مغرب میں شمال کے خلاف مغائرت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اور دوسری طرف خود شمال والوں سے الحاق کر کے ملک کی کولیشن گورنمنٹ میں شریک ہو گئے۔ جبکہ مغربی نائیجیریا کی سیاسی پارٹی اپوزیشن بنی رہی۔

آزادی کے معاً بعد انہوں نے شمالیوں کے ذریعہ مغرب کی سیاسی پارٹی کو زیر کیا۔ اور اس کے لیڈر (AWOLOWO) کو قید کرا دیا۔ اور بعد میں مغرب کی اسی زائل شدہ پارٹی کے ساتھ مل کر شمال کے خلاف

متحدہ محاذ قائم کر لیا۔ اور مغربی نائیجیریا میں اپنے کارندے بھیجکر شمالیوں کے خلاف شدید نفرت کے جذبات ابھارے اور سارے جنوبی نائیجیریا میں کھلم کھلا قانون شکنی کا طوفان برپا کر دیا۔

۶۵/۱۹۶۴ء میں ہونے والے ریجنل اور فیڈرل الیکشن کا بائیکاٹ کیا اور جنوب میں آباد شمالی باشندوں اور مغرب میں شمال کی حلیف سیاسی پارٹی کے ممبروں کو برملا جلایا اور قتل کیا اور ان کی جائدادوں کو آگ لگادی۔ اور یہ نعرہ بلند کیا کہ ہم شمال کے پسماندہ ہاؤسا اور فولانی قوم کے اقتدار کو اب برداشت نہیں کر سکیں گے۔ اور ان کی حکومت کا تختہ الٹ کر رہیں گے۔ نیز حقیقت کے بالکل برعکس یہ پراپیگنڈا کیا کہ شمال والے مشرقی اور مغربی باشندوں پر مظالم ڈھا رہے ہیں۔ اور وزیر اعظم کے متعلق یہ شور مچایا کہ چونکہ وہ ملک میں امن قائم نہیں کر سکا لہذا وہ حکومت کرنے کے لائق نہیں۔

اسی دوران حکومت اور فوج میں اقتدار والے تمام ابو (IBO) قوم کے افراد نے مل کر مشرقی نائیجیریا میں ایک گہری سازش کی۔ اور ملک میں فوجی انقلاب برپا کر دیا۔ جس میں فوج کے تقریباً تمام غیر ابو بالا افسروں کو قتل کر دیا گیا۔ شمالی نائیجیریا کے وزیر اعظم کو شہید کیا گیا۔ اور اس کے حلیف مغربی نائیجیریا کے وزیر اعظم کو بھی قتل کر دیا۔ اسی طرح مرکزی وزیر اعظم سر ابوبکر طفاوا بالیوا کو بھی شہید کر دیا اور مرکزی وزیر خزانہ کو بھی جو مڈ ویسٹ سے تھا قتل کر دیا اور فوج کے ابو (IBO) کمانڈر انچیف میجر جنرل ارونزی (IRONZI) نے حکومت سنبھال لی جس نے اقتدار سنبھالتے ہی ملک کی ریجنل تقسیم ختم کر دی۔ اور (UNITARY) حکومت قائم کر کے شمال والوں کے اندرونی اختیارات بالکل سلب کر دیئے اور بعد میں ان کی فوجی طاقت کو ختم کرنے کے آثار بھی نمایاں ہونے لگے۔

انقلاب کے بعد چھ ماہ تک تو شمال والے فوجی حکومت کے ساتھ پورا پورا تعاون کرتے رہے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ اس حکومت کا ارادہ ان کو بالکل نیست و نابود کرنے کا ہے تو انہوں نے بھی ایک زیادہ گہری اور کامیاب چال کے ذریعہ اچانک دوسرا فوجی انقلاب برپا کر دیا۔ اور علاقائی تقسیم بحال کر کے وفاقی حکومت قائم کر لی۔

مشرقی نائیجیریا کے فوجی گورنر (OJUKWU) کرنل اوجوکو نے جب دیکھا کہ اس کا بنا بنایا کھیل بگڑ گیا ہے۔ تو اس نے حکومت کے فوجی سربراہ یعقوبو گون YAKUBU GOWON کی اطاعت کرنے سے انکار کر دیا۔ اور باوجود پہلے سے بھی زیادہ اندرونی اختیارات ملنے کے ملٹری کونسل اور سیاسی ماہرین کی کانفرنس میں شمولیت سے انکار کر دیا۔ شمال کے خلاف اپنی سرگرمیاں تیز تر کر دیں اور مشرق کو ایک آزاد حکومت کے طور پر زیادہ سے زیادہ مضبوط کرنے کے لئے ہر جائز و ناجائز طریق پر کوشش کرنے لگا۔ ملک میں چونکہ ٹیکنیکل ماہرین زیادہ اِبو تھے جن کو اس نے مشرقی نائیجیریا میں واپس بلا لیا۔ اور فوج میں چوٹی کے تجربہ کار ابو افسر بھاگ کر مشرقی نائیجیریا میں آ گئے تھے لہذا اسے یقین تھا کہ اسے جلد فوجی اور اقتصادی غلبہ حاصل ہو جائے گا۔

تقریباً ایک سال تک اس نے ملک میں بےشمار فوجی سامان جمع کرنا شروع کر دیا۔ اور ابو قوم کے بچہ بچہ کو فوجی ٹریننگ دی جس میں یونیورسٹی کے اور سکولوں کے طالب علم بھی شامل تھے۔

مشرقی نائیجیریا کی بغاوت دن بدن بڑھتی رہی۔ بالآخر گھانا کا فوجی حاکم گھانا میں ابوری کے مقام پر وفاقی اور مشرقی نائیجیریا کے باغیوں کے نمائندوں اور ان کے لیڈروں (یعقوبو گون اور کرنل اوجوکو) کو اکٹھا کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

اس کانفرنس کے نتیجہ میں GOWON نے مشرقی گورنر کے تقریباً تمام مطالبات منظور کر لئے جن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ سارے جنوبی نائیجیریا سے شمالی نائیجیریا کے فوجیوں کا مکمل انخلا کیا جائے۔ اس کے نتیجہ میں مشرقی نائیجیریا کے اندرونی اختیارات بہت زیادہ بڑھا دیئے گئے۔ لیکن مشرقی گورنر کی باغیانہ سرگرمیاں دن بدن بڑھتی گئیں۔ اور اس نے اعلان کیا کہ یکم جون ۱۹۶۷ء کو وہ بیافرا کے نام سے ایک آزاد مملکت کے قیام کا اعلان کر دیگا۔

اس نے ملک کے مختلف حصوں میں آباد مشرقی نائیجیریا کے باشندوں کو مشرقی نائیجیریا آنے کی ہدایت کی۔ اور یہ اعلان بھی کیا کہ مشرقی نائیجیریا سے تمام غیر مشرقی باشندے خارج ہو جائیں۔

وفاقی نائیجیریا سے مشرقی نائیجیریا میں جانے والے ہر قسم کے ذرائع آمد و رفت پر قبضہ کر لیا جاتا۔ خواہ وہ موٹر کار ہو یا بس یا ریلوے ٹرین ہو یا ہوائی جہاز۔ اور نائیجیریا کے بڑے بڑے شہروں بالخصوص لیگوس پر بم گرانے شروع کر گئے۔ اور کئی پٹرول سٹیشنوں کو دھماکے والے بموں سے اڑانا شروع کر دیا۔ اور اپنے اخبارات اور ریڈیو کے ذریعہ وفاقی حکومت اور اس کے سربراہ اور شمالی نائیجیریا کے باشندوں کے خلاف کھل کر زہر اگلنا شروع کر دیا۔

ان تمام کارروائیوں کے باوجود وفاقی حکومت نے کوئی رد عمل نہ کیا۔

۲۷ مئی ۱۹۶۷ء کو YAKUBU GOWON نے سارے ملک کو ۱۲ ریاستوں میں تقسیم کرنے کا اعلان کر دیا جس کی وجہ سے وفاقی نائیجیریا کی قانونی حیثیت مضبوط ہوگئی۔ اس تقسیم کے نتیجہ میں شمالی نائیجیریا چھ ریاستوں میں تقسیم ہوگیا۔ اور مشرقی اور مغربی نائیجیریا دونوں تین تین ریاستوں میں تقسیم ہوگئے۔ اور مشرقی نائیجیریا میں تین ریاستیں اس طریق پر قائم کی گئیں۔ کہ دو ریاستیں ان باشندوں پر مشتمل تھیں۔ جو ابو اقتدار سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ اور ان دونوں ریاستوں نے درمیانی ریاست کو (جس میں اکثریت ابو (IBO) باشندوں کی تھی) مشرق اور جنوبی ساحل کی طرف سے اس طرح گھیرے میں لے لیا۔ کہ ان کے لئے سمندر تک پہنچنے کے تمام راستے مسدود ہوگئے۔

باغی فوجوں نے اس پر ان دو ریاستوں پر اور ساحل کے قریب فوجی ٹھکانوں پر اپنے پنجے زیادہ مضبوطی سے قائم کر لئے۔ اور یکم جون کو بیافرہ کی آزاد حکومت کا اعلان کر دیا۔

اس پر یعقوبو گون نے اعلان کیا۔ کہ یہ اقدام نائیجیریا کے خلاف بغاوت ہے لہذا نائیجیریا کی فوج کے ایک حصہ کو اس بغاوت کی سرکوبی کے لئے پولیس ایکشن کے طور پر مشرقی نائیجیریا بھیجا جا رہا ہے اور تھوڑے ہی عرصہ میں وفاقی فوجوں نے مشرقی نائیجیریا کے دار الحکومت

ENUGU پر قبضہ کر لیا۔

اس کے بعد جب باغیوں نے دیکھا کہ مڈ ویسٹرن ریجن اور ویسٹرن ریجن شمالی نائیجیریا کی فوجوں سے خالی ہیں۔ تو اچانک مڈ ویسٹ پر حملہ کر دیا۔ اور سارے مڈ ویسٹ اور مغربی نائیجیریا کے ایک علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ اور لیگوس سے ان کی فوجیں صرف ۷۰ میل دور رہ گئیں۔

اس پر یعقوبو گون نے باغیوں کے خلاف کھلا اعلانِ جنگ کیا۔ اور شمالی نائیجیریا کی فوجوں نے ان علاقوں میں داخل ہو کر باغیوں کو مار بھگایا اور ان علاقوں پر دوبارہ وفاقی قبضہ ہو گیا۔

وفاقی فوجوں نے اس کے بعد اپنی پوری طاقت استعمال کر کے جلد ہی مشرقی نائیجیریا کی تینوں ریاستوں کے دارالحکومتوں پر قبضہ کر لیا۔ اور پھر آہستہ آہستہ سمندر کی طرف سے اور مشرق اور شمال اور مغرب کی طرف سے گھیرا ڈال کر باغی فوجیوں کو درمیان ریاست میں محدود ہونے پر مجبور کر دیا۔

وفاقی حکومت نے اپنے دعویٰ کو عملاً ثابت کرتے ہوئے ان تمام ریاستوں میں خود وہاں کے باشندوں کو ہی بطور گورنر اور نظم و نسق کے ایڈمنسٹریٹر مقرر کیا۔ اور مشرقی نائیجیریا کی درمیانی اِبو ریاست کے نظم و نسق کے لئے لیگوس کی یونیورسٹی کے ایک اِبو پروفیسر کو بھیجا۔ اور باوجود اس کے کہ اس ریاست کو اب چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا گیا ہے۔ اور اس کے تمام بڑے شہروں پر بھی قبضہ کر لیا گیا ہے لیکن وفاقی حکومت وہاں کے اِبو باشندوں کو دوبارہ اپنے شہروں میں آباد کرنے کی پوری تگ و دو کر رہی ہے اور متواتر اعلان کر رہی ہے۔ کہ وفاقی حکومت کا یہ قطعاً ارادہ نہیں کہ اِبو قوم کو نیست و نابود کر دیا جائے۔ بلکہ صرف باغی عنصر کو زیر کرنا ہے۔ اور باغیوں کو متواتر ہتھیار ڈالنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ اور یہ اعلان کیا جاتا ہے۔ کہ وہ جونہی بیافرہ حکومت کا دعویٰ ترک کر کے باقی نائیجیریا کے ساتھ مل کر حکومت میں برابر کے شریک کے طور پر رہنے کا اعلان کریں گے۔ فوجی کارروائی فوراً بند کر دی جائے گی۔ اور ان کو کسی قسم کی مزید سزا نہیں دی جائے گی۔ تین باغی ابھی تک اپنے اس دعویٰ پر قائم ہیں کہ جب تک آخری اِبو انسان مشرقی نائیجیریا میں زندہ ہے وہ ہتھیار نہیں ڈالیں گے۔

اب وفاقی نائیجیریا کی فوجیں تو ایک مقام تک پہنچ کر رک گئی ہیں۔ اور باغیوں کو محض گھیرے میں لے رکھا ہے لیکن دنیا کی بعض بڑی طاقتیں افریقہ ہی کے بعض ممالک کے ذریعہ ان کی مالی امداد کر رہی ہیں۔ اور جنگی ساز و سامان مہیا کر رہی ہیں۔ اور یہ خانہ جنگی جب ختم ہونے کے قریب پہنچتی ہے تو اچانک دوبارہ شدت سے بھڑک اٹھتی ہے۔ اگر بیرونی طاقتوں نے باغیوں کی یہ خفیہ امداد بند نہ کی۔ تو نائیجیریا کی خانہ جنگی کا دروازہ بظاہر بند ہوتا نظر نہیں آتا۔

"خدمتِ دین کو اک فضلِ الٰہی جانو
اس کے بدلے میں کبھی طالبِ انعام نہ ہو"

(المصلح الموعود)

بقیہ "مسلمان تاجر کا مقام"

تول کر لیتے ہیں تو خوب پورا کر کے لیتے ہیں اور جب (کوئی چیز) دوسروں کو تول کر دیتے ہیں تو پھر وزن میں کمی کر دیتے ہیں۔ کیا یہ لوگ یقین نہیں کرتے کہ وہ (زندہ کر کے) اٹھائے جائیں گے۔ اس عظیم الشان وقت کا فیصلہ دیکھنے) کے لئے جس وقت (تمام) لوگ سب جہانوں کے رب (کا فیصلہ سننے) کے لئے کھڑے ہونگے۔ ایسا نہیں (جو یہ سمجھتے ہیں) بدکاروں (کی جزاء) کا حکم یقیناً ایک دائمی کتاب میں ہے۔

جیسے کہ ابتداء میں بتایا گیا ہے ہمارا زمانہ عالمگیر تجارت اور سودے بازی کا زمانہ ہے۔ خواہ وہ شہری یا ملکی سطح پر ہو یا بین الاقوامی سطح پر۔ بین الاقوامی طور پر اقوام ایک دوسرے سے انتہائی ظلم و تطفیف سے کام لے رہی ہیں۔ اسی طرح چھوٹی سطحوں پر بھی تجارت میں امانت و دیانت خال خال ہی پائی جاتی ہے۔ پس اس زمانہ میں جماعت احمدیہ کے تجار خواہ وہ کسی بھی طبقہ سے متعلق ہوں اپنے آپ کو الصدوق اور الامین ثابت کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور انتہائی بلند روحانی نعمتوں کے وارث ہوں اور ساری دنیا کے لئے ایک نمونہ بنیں کہ دنیاوی انعامات کے ساتھ خدا تعالیٰ کا ایک مومن بندہ روحانی رفعتوں کو بھی حاصل کرتا چلا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دنیا کے لئے اسوۂ حسنہ پیش کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

بقیہ "خدام الاحمدیہ کے اغراض و مقاصد"

اشتہاروں کے جواب میں نہایت عمدہ ٹریکٹ شائع کئے

اپریل ۱۹۳۸ء میں حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلسل خطبات کے ذریعہ خدام الاحمدیہ کی تحریک عام فرمائی اور باہر کی جماعتوں میں اس مجلس کے قیام کا ارشاد فرمایا نیز بڑی تفصیل سے مجلس کا پروگرام (لائحہ عمل) تجویز فرمایا۔ ابتداء میں تو مجلس کا کام صرف علمی حد تک تھا۔ مگر پھر اس کے پروگرام میں مندرجہ ذیل امور بھی شامل کر دیئے گئے:۔ (۱) اپنے ہاتھ سے روزانہ اجتماعی صورت میں آدھ گھنٹہ کام کرنا۔ ۲۔ درس و تدریس۔ ۳۔ تلقین پابندی نماز۔ ۴۔ بیوگان، معذوروں اور مریضوں کی خبر گیری۔ ۵۔ تکفین و تدفین اور دیگر تقاریب میں امداد

گویا اس وقت مجلس کا عملی پروگرام ہاتھ کے کام۔ خدمت خلق اور پابندی نماز پر مشتمل تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خطبات و تقاریر میں خدام کو آوارہ گردی کے انسداد اور فریضہ تبلیغ کی ادائیگی کی طرف متوجہ فرمایا۔

۱۹۳۹ء میں حضور رضی اللہ عنہ نے پھر خدام الاحمدیہ کے متعلق متواتر خطبات ارشاد فرمائے اور ان خطبات میں خدام الاحمدیہ کے پروگرام میں بعض اور امور کا اضافہ فرمایا۔ غرضیکہ رفتہ رفتہ حضور کے احکامات کی روشنی میں اور آپ کے ارشادات کے مطابق مجلس کے کاموں میں وسعت آتی گئی۔ متعدد علیحدہ علیحدہ شعبہ جات قائم ہوتے گئے مجلس کا اپنا دستور اساسی اور لائحہ عمل اور بجٹ وغیرہ مقرر ہو گئے۔ اور مجلس بڑی سرعت سے ترقی کی منازل طے کرنے لگی۔ اور رواں دواں اپنی موجودہ ترقی یافتہ حالت کو پہنچی۔ فالحمد للہ علی ذالک۔ و ذالک فضل اللہ۔

(باقی)

رفیق احمد صاحب ثاقب
معتمد مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ

مجلس خدام الاحمدیہ کے اغراض و مقاصد اور مختصر تاریخ

مجلس خدام الاحمدیہ احمدی نوجوانوں کی وہ تنظیم ہے جسے آج سے قریباً ۳۱ سال پیشتر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے اس غرض کے لئے قائم فرمایا کہ تا احمدیت کی جوان پود اور آنیوالی نسلیں اسلام اور احمدیت کے حقیقی مغز کو حاصل کریں اور نوجوانوں کی اس رنگ میں تربیت کی جائے کہ وہ آئندہ احمدیت کا ستون ۔ ایک اعلیٰ اور مضبوط ستون ثابت ہوں کیونکہ انہی کے کندھوں پر آئندہ سلسلہ کا سب بار پڑنا ہے۔

اپنی موجودہ شکل میں احمدی نوجوانوں کی اس تنظیم کا قیام تو اگرچہ بہت بعد میں عمل میں لایا گیا تاہم خود حضرت اقدس سیدنا مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بانی سلسلہ احمدیہ نے متعدد جگہ مخصوص طور پر احمدی نوجوانوں کو مخاطب فرمایا ہے۔ حضور کا یہ بیش قیمت شعر تو ہم نوجوانوں کے لئے ماٹو کی حیثیت رکھتا ہے کہ ؎

"بکوشید اے جواناں تا بدیں قوت شود پیدا
بہار و رونق اندر روضۂ ملت شود پیدا"

بہرحال یہ شرف سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حسن و احسان میں نظیر یعنی سیدنا مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل ہوا کہ آپ نے احمدی نوجوانوں کی ایک علیحدہ باقاعدہ تنظیم فرمائی۔ اسے ایک معین لائحہ عمل عطا فرمایا۔ اور تفصیلی ہدایات سے نوازتے ہوئے نوجوانوں میں ولولۂ ایمانی خدمت کی لگن اور فرض شناسی کا جذبہ پیدا فرمایا۔ یقیناً یہ حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہم احمدی نوجوانوں پر ایک بہت بڑا احسان ہے۔

۱۔ اغراض و مقاصد:۔

مجلس خدام الاحمدیہ کے قیام کی غرض و غایت اسکی اہمیت اور اسکے لائحہ عمل کے بارہ میں واضح تصور قائم کرنے کیلئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ خود حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہی الفاظ اپنے خدام بھائیوں کے سامنے پیش کروں جو حضور رض نے احباب جماعت اور نوجوانوں کے سامنے وقتاً فوقتاً متعدد مواقع پر بیان فرمائے ہیں:۔

مجلس خدام الاحمدیہ کے قیام کی غرض بیان کرتے ہوئے حضور رض فرماتے ہیں:۔

"میری غرض اس مجلس کے قیام سے یہ ہے کہ جو تعلیم ہمارے دلوں میں دفن ہے اُسے ہوا نہ لگ جائے بلکہ وہ اسی طرح نسلاً بعد نسلٍ دلوں میں دفن ہوتی چلی جائے آج وہ ہمارے دلوں میں دفن ہے تو کل وہ ہماری اولاد کے دلوں میں دفن ہو اور پرسوں ان کی اولاد کے دلوں میں یہانتک کہ یہ تعلیم ہم سے وابستہ ہو جائے ہمارے دلوں کے ساتھ چمٹ جائے اور ایسی صورت اختیار کرے جو دنیا کیلئے مفید اور بابرکت ہو اگر ایک دو نسلوں تک ہی یہ تعلیم محدود رہی تو کبھی ایسا پختہ رنگ نہ دیگی جس کی اس سے توقع کی جاتی ہے"

(الفضل ۱۷ فروری ۱۹۳۹ء)

پھر سلسلہ احمدیہ کے قیام کی غرض و غایت کو تفصیل سے

بیان کرتے ہوئے حضور فرماتے ہیں:۔

"سلسلہ احمدیہ کے سپرد ایسے کام کئے گئے ہیں جو دنیا میں عظیم الشان انقلاب پیدا کرنیوالے ہیں۔ موجودہ دنیا کی کایا پلٹنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ دنیا کی تہذیب اور دنیا کے تمدن کی عمارت جو اس وقت قائم ہے اس کی صفائی کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نہیں بھیجے گئے اس کی لپائی کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نہیں بھیجے گئے اس پر رنگ اور روغن کرنے کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نہیں بھیجے گئے اس کا پلستر بدلنے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نہیں بھیجے گئے اس کی کانسوں کو درست کرنے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نہیں بھیجے گئے۔ اس کے ٹوٹے ہوئے فرش کو بدلنے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نہیں بھیجے گئے بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے بھیجا ہے۔ کہ توڑ دو اس تہذیب اور تمدن کی عمارت کو جو اس وقت کھڑی ہے ٹکڑے ٹکڑے کر دو اس قلعہ کو جو انسانوں نے اس میں بنالیا ہے اسے زمین کے ساتھ لگا دو بلکہ اس کی جڑ ہی اکھیڑ کر پھینک دو اور اس کی جگہ وہ عمارت کھڑی کرو جس کا نقشہ میں تمہیں دیتا ہوں۔ یہ کام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا تھا۔ اور اس کام کی اہمیت بیان کرنے کے لئے کسی لمبی چوڑی تقریر کی ضرورت نہیں۔ ہر انسان سمجھ سکتا ہے کہ دنیا کے جس گوشے میں ہم جائیں دنیا کی جس گلی میں سے ہم گزریں دنیا کے جس گاؤں میں ہم اپنا قدم رکھیں وہاں ہمیں جو کچھ نظر آتا ہے اس سب کو توڑنا اور اس سب کو تباہ کر دینا اور اس سب کو برباد کر دینا ہمارا مقصد ہے۔ اور پھر صرف توڑنا اور برباد کرنا ہی کام نہیں بلکہ اس کی جگہ نئی عمارت بنانا جو قرآن کریم کے بتائے ہوئے نقشے کے مطابق ہو ہمارا کام ہے۔"

پھر سلسلہ کی اندرونی اصلاح اور آئندہ ترقی کے لئے مختلف تنظیموں کی ضرورت بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

"جماعتی تنظیم اور اصلاح کو مکمل کرنے کے بغیر ہم ساری دنیا کی تنظیم اور اس کی اصلاح کی طرف توجہ نہیں کرسکتے ہم اس وقت باہر کی طرف توجہ کر سکتے ہیں۔ جب ہم تمام جماعت کے افراد کو ایک نظام میں منسلک کرلیں گے تو اس کے بعد ہم بیرونی دنیا کی اصلاح کی طرف کامل طور پر توجہ کرسکیں گے اور اس اندرونی اصلاح کی طرف کامل طور پر توجہ کرسکیں گے اس اندرونی اصلاح اور تنظیم کو مکمل کرنے کیلئے میں نے خدام الاحمدیہ انصار اللہ اور اطفال الاحمدیہ تین جماعتیں قائم کی ہیں۔ اور یہ تینوں اپنے اس مقصد میں جو ان کے قیام کا اصل باعث ہے اس وقت کامیاب ہوسکتی ہیں۔ جب انصار اللہ خدام الاحمدیہ اور اطفال الاحمدیہ اس اصل کو مدنظر رکھیں جو حیث ما کنتم فولّوا وجوھکم شطرہ میں بیان کیا گیا ہے کہ ہر شخص اپنے فرض کو سمجھے اور پھر رات اور دن اس فرض کی ادائیگی میں اس طرح مصروف ہو جائے جس طرح ایک پاگل اور مجنون تمام اطراف سے اپنی توجہ کو ہٹا کر صرف ایک بات کے لئے اپنے تمام اوقات کو صرف کر دیتا ہے جب تک رات اور دن انصار اللہ اپنے کام میں لگے نہیں رہتے جب تک رات اور دن خدام الاحمدیہ اپنے کام میں لگے نہیں رہتے جب تک رات اور دن اطفال الاحمدیہ اپنے کام میں نہیں لگے رہتے اور اپنے مقصد کو پورا کرنے کیلئے تمام اوقات کو صرف نہیں کر دیتے اس وقت تک ہم اپنی اندرونی تنظیم مکمل نہیں کرسکتے

اور جب تک ہم اپنی اندرونی تنظیم مکمل نہیں کر لیتے اسوقت تک ہم بیرونی دنیا کی اصلاح اور اس کی خرابیوں کے ازالہ کی طرف بھی پوری توجہ نہیں دے سکتے۔"

اسی طرح حضور نے فرمایا:۔

"میری غرض انصار اللہ اور خدام الاحمدیہ کی تنظیم سے یہ ہے کہ عمارت کی چاروں دیواروں کو مکمل کر دوں۔ ایک دیوار انصار اللہ ہیں دوسری دیوار خدام الاحمدیہ ہیں تیسری دیوار اطفال الاحمدیہ اور چوتھی دیوار لجنات اماء اللہ ہیں۔ اگر یہ چاروں دیواریں ایک دوسری سے علیحدہ رہیں تو یہ لازمی بات ہے کہ عمارت کھڑی نہیں ہو سکتی۔"

نیز فرمایا:۔ وہی قوم زندہ سمجھی جا سکتی ہے جس کی آنیوالی پود زیادہ عزم والی ہوتی ہے جس کی آنیوالی پود زیادہ ترقی کرنیوالی ہوتی ہے جس کی پود نظم پر قائم ہوتی ہے۔ اور روحانیت کو حل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔"

پھر قوموں کی ترقی میں تسلسل کی ضرورت اور نظم کی برکات کے ضمن میں حضور فرماتے ہیں۔

"بعض چیزیں اخلاص سے نہیں بلکہ نظام سے تعلق رکھتی ہیں اور جب تک نظام کی پابندی نہ ہو اس وقت تک کامیابی نہیں ہوتی مذہبی تعلیموں کی اشاعت کے لئے حضوصاً عیسوی نقش پر آنیوالی اور جمالی رنگ اپنے اندر رکھنے والی تعلیموں کیلئے ایک لمبے عرصہ تک مسلسل اور متواتر کام کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ تسلسل تب ہی قائم رہ سکتا ہے جب آئندہ اولادوں کی اصلاح کی جائے۔ اگر ہم نے اس تسلسل کو قائم نہ رکھا تو یہ ہماری موت کی علامت ہوگی۔ پس ضروری ہے کہ ہم اس تسلسل کو قائم رکھیں"

اسی سلسلہ میں حضور مزید فرماتے ہیں:۔

"قوموں کی کامیابی کے لئے کسی ایک نسل کی درستی کافی نہیں ہوتی۔ جو پروگرام بہت لمبے ہوتے ہیں وہ اسی وقت کامیاب ہو سکتے ہیں جبکہ متواتر کئی نسلیں ان کو پورا کرنے میں لگی رہیں جتنا وقت ان کو پورا کرنے کیلئے ضروری ہو اگر اتنا وقت ان کو پورا کرنے کیلئے نہ دیا جائے تو ظاہر ہے کہ وہ کسی صورت میں مکمل نہیں ہو سکتے اور اگر وہ مکمل نہ ہوں تو اس کے معنے یہ ہونگے کہ پہلوں نے اس پروگرام کی تکمیل کیلئے جو محنتیں، کوششیں اور قربانیاں کی ہیں وہ سب رائیگاں گئیں۔"

اسی ضمن میں حضور رض نے مزید فرمایا ہے:۔

"قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ نئی نسلیں جب تک اس دین اور ان اصولوں کی حامی نہ ہوں جن کو خدا تعالٰے کی طرف سے اسکے نبی اور مامور دنیا میں قائم کرتے ہیں اس وقت تک اس سلسلہ کی ترقی کی طرف کبھی بھی صحیح معنوں میں قدم نہیں اٹھ سکتا..... وہ اصلاح صرف اسی رنگ میں ہو سکتی ہے کہ نوجوانوں کو اس امر کی تلقین کی جائے کہ وہ اپنے اندر ایسی روح پیدا کریں کہ اسلام اور احمدیت کا حقیقی مغز انہیں میسر آجائے۔"

(الفضل ۱۰ اپریل ۱۹۳۸ء)

پھر اسلام اور احمدیت کے حقیقی مغز کے حصول کی روح کو احمدی نوجوانوں میں پیدا کرنے کے لئے حضور نے یہ طریق بتایا ہے۔ فرمایا:۔

"نوجوانوں کے اندر ..... بیداری اور ہوشیاری پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہر جگہ مجلس خدام الاحمدیہ قائم کی جائے اور اس میں ایسے نوجوان شامل کئے جائیں جو عملی رنگ میں اپنی ایسی اصلاح کرنے کے لئے تیار ہوں کہ ان کا وجود دوسروں کے لئے نمونہ بن جائے۔"

(الفضل ۲۲ اپریل ۱۹۳۸ء)

ابتدائی دور میں مجلس خدام الاحمدیہ میں شمولیت ضروری

نہ تھی بلکہ طوعی و اختیاری تھی۔ لیکن بعد ازاں حضور رضی
نے ۱۵ سے ۴۰ سال تک عمر کے ہر احمدی نوجوان کا اس
میں شامل ہونا لازمی قرار دیا اور جماعت کے عہدیداران
کو تاکید فرمائی کہ وہ نوجوانوں کو ضرور خدام الاحمدیہ میں
شامل کروائیں۔ چنانچہ حضور نے ارشاد فرمایا:۔

"میں نے پہلے بھی توجہ دلائی تھی اور اب پھر جماعتوں
کے پریذیڈنٹوں سیکرٹریوں اور دوسرے تمام افراد کو
توجہ دلاتا ہوں کہ وہ خدام الاحمدیہ کے ساتھ تعاون کریں
اور نوجوانوں کو اس بات پر مجبور کریں کہ وہ خدام الاحمدیہ
میں شامل ہوں۔ اسی طرح ماں باپ کا فرض ہے کہ وہ
اپنے بچوں کو اس میں داخل کریں"

نیز حضور نے مجلس خدام الاحمدیہ کی ضرورت
و اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

"خدام الاحمدیہ جیسی جماعت کا وجود ایک نہایت
ہی ضروری اور اہم کام ہے اور نوجوانوں کی درستی اور
اصلاح اور ان کا نیک کاموں میں تسلسل ایک ایسی بات
ہے جسے کسی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

(الفضل ۱۱ مارچ ۱۹۳۸ء)

الغرض حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کے دل میں احمدی نوجوانوں کی صحیح تربیت و تنظیم کا مسلسل
انتظام کرنے کی جو تمنا دیر سے کروٹیں لے رہی تھی اس کا
عملی ظہور مجلس خدام الاحمدیہ کے قیام کی صورت میں ہمارے
سامنے آیا جس نے رفتہ رفتہ اب ایک مضبوط و تناور
درخت کی صورت اختیار کر لی ہے جو خدا کے فضل سے
چمن احمدیت کی رونق۔ حفاظت و سربلندی کا باعث
ہے۔ اور اپنے و بیگانے اس کے شیریں ثمرات سے
حصہ پا رہے ہیں۔

ب۔ مختصر تاریخ:۔

اس مجلس کے قیام کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ
۳۱ جنوری ۱۹۳۸ء کو قادیان کے دس نوجوانوں کو ایک
جگہ بلایا گیا۔ مکرم محبوب عالم صاحب خالد اس مجلس کے
داعی تھے باقی دس نوجوان یہ تھے:۔

۱۔ مولوی قمر الدین صاحب۔ ۲۔ حافظ بشیر احمد صاحب
مرحوم۔ ۳۔ مولوی ظہور حسین صاحب۔ ۴۔ مولوی غلام احمد
صاحب فرخ۔ ۵۔ مولوی محمد صدیق صاحب۔ ۶۔ سید احمد علی
صاحب۔ ۷۔ حافظ قدرت اللہ صاحب۔ ۸۔ مولوی
محمد یوسف صاحب۔ ۹۔ مولوی محمد احمد صاحب۔ ۱۰۔
خلیل احمد صاحب ناصر۔

ان نوجوانوں نے احمدیت کی ترقی اور خلافت کی
تائید میں کوشاں رہنے کا عزم اور اسکے خلاف اُٹھنے
والے فتنوں کا مقابلہ کرنے کا عہد کرتے ہوئے خدا تعالیٰ سے
مدد و نصرت چاہی۔ چونکہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ
کے زیر ارشاد ہی اس مجلس کا قیام عمل میں آ رہا تھا
اس لئے حضور سے ہی مجلس کا نام رکھنے کی درخواست کی
گئی۔ حضور نے ۴ فروری ۱۹۳۸ء کو اس تنظیم کو مجلس
خدام الاحمدیہ کے نام سے موسوم فرمایا۔ ابتدائی دو ماہ
کے اندر قادیان کے مختلف حلقوں میں اس کی شاخیں
قائم کر دی گئیں۔ اس دوران میں مجلس کا کام یہ تھا کہ
اراکین قرآن و حدیث۔ تاریخ۔ فقہ اور احمدیت و اسلام
کے متعلق کتب دینیہ کا مطالعہ کرتے اور احمدیت و
خلافت کے خلاف اٹھنے والے فتنوں کے جواب کے
لئے تحقیق و تدقیق کرتے۔ اس وقت شیخ مصری صاحب
کا فتنہ برپا تھا۔ چنانچہ اراکین مجلس نے اس فتنہ کے
رد کے لئے قابل قدر مساعی کیں اور مصری صاحب کے

(باقی کیلئے دیکھیں صفحہ ۹۲)

اجتماع ۱۹۶۸ء پر انعام حاصل کرنے والی ٹیمیں

والی بال ربوہ

فٹ بال ربوہ

December 1968—January 1969

Regd. No. L 5830

خوشخبری

زراعتی ٹریکٹر کے خریداروں کے لئے

ف ۶۶۸

Only Title printed at the Nusrat Art Press, Rabwah